ماہنامہ
براہِ راست
لاہور
جلد 11 شمارہ 04
اپریل 2025ء

غزہ کا مسئلہ محض اختلافی یا مذہبی نہیں بل کہ انسانی حقوق کا ہے

سازشوں کا دور ---

جنوبی غزہ میں طبی کارکنوں کی اجتماعی قبر دریافت

مغربی کنارے میں تشدد، گرفتاریاں، قتل و غارت

سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

دیر یاسین اور شمالی غزہ تاریخ اور عزیمت

شام، لبنان، یمن اور اسرائیل چار قومی جنگ امریکہ لڑے گا

سنی اتحاد کونسل کے سربراہ صاحبزادہ حامد رضا کی فرینڈز آف فلسطین کے دفتر آمد

ننھے محمد عز الحیہ کی شہادت

غزہ میں حماس کے سربراہ ڈاکٹر خلیل الحیہ کا پوتا

الحیہ کے خاندان کے شہیدوں کی تعداد 31 ہوگئی جن میں سے 10 نے

طوفان اقصیٰ معرکے میں جام شہادت نوش کیا

حماس مذاکراتی ٹیم کے سربراہ ڈاکٹر خلیل الحیہ [ابواسامہ]

نازونعم میں پلے بڑھے اور پھر ہر لمحہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر زندگی جیئے!!

الشجاعیہ کالونی کے فرزند ابواسامہ۔۔بعض فلسطینی شجاعیہ کالونی کو سینئر کمانڈر احمد الجعبر ی کی نسبت سے ''جنرل کا شجاعیہ'' بھی پکارتے ہیں۔

ابواسامہ دو عظیم مجاہد بیٹوں کے باپ ہیں۔ایک بیٹا حمزہ جو 2008 میں ایک جہادی مشن میں شہید ہوا اور دوسرا اسامہ جو 2014 میں اسرائیل کی ایک بزدلانہ کارروائی میں اپنی بیوی اور تین بچوں سمیت شہید کر دیا گیا۔

طوفان اقصیٰ آپریشن سے پہلے تک ابواسامہ کے گھرانے کے شہیدوں کی تعداد 21 ہوچکی تھی۔۔۔آپریشن کے دوران میں ابواسامہ نے اپنے خاندان کے نوافراد کو کھودیا۔۔اور آج ان کا پوتا محمد عز خاندان کے دسیوں شہید کے طور پر جام شہادت نوش کر چکا ہے۔۔۔ننھے شہید کے دو بھائی اور والد عز الدین (ڈاکٹر خلیل الحیہ کا بیٹا) زخمی ہوئے، بھائیوں میں سے ایک کے زخم گہرے ہیں۔۔۔یہ کارروائی التفاح کے علاقے میں واقع دارالارقم پناہ مرکز میں کی گئی۔۔۔یعنی کہ وہ دیگر لوگوں کی طرح کیمپ میں رہ رہے ہیں۔۔اور اب ننھے محمد عز اپنے چچا شہید مجاہد اسامہ الحیہ کے ہمراہ قبر میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

وہ (ذات) پاک ہے جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد الحرام یعنی (خانہ کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک جس کے گرد اگرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں لے گیا تاکہ ہم اسے اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھائیں۔ بیشک وہ سننے والا (اور) دیکھنے والا ہے۔

ماہنامہ
براہِ راست
لاہور

جلد 11 شمارہ 04 اپریل 2025ء

مُدیر: مرزا محمد الیاس

ویب سائٹ: www.barah-i-rast.com

برقی پتہ ادارتی امور: editor@barah-irast.com

برقی پتہ انتظامی امور: contact@barah-i-rast.com

Price Rs.70

پبلشر مرزا محمد الیاس نے شرکت پرنٹنگ پریس لاہور سے چھپوا کر 9/1A رائل پارک لاہور سے شائع کیا

اس شمارے میں

- کلام اقبال
- اداریہ

دیر یاسین اور شمالی غزہ: تاریخ اور عزیمت

غزہ کا مسئلہ محض اختلافی یا مذہبی نہیں بل کہ انسانی حقوق کا ہے

مغربی کنارہ: آبادکاروں کے حملے، اسرائیلی کارروائیاں اور مقدمہ

مغربی کنارے میں تشدد: آبادکاروں پر پابندی کیسے ہوا ہوئی؟

- غزہ کو ''ریوریا'' بنانے کے خواہش مند صدر امریکہ کے نام
- رمضان کی مبارک ساعتوں میں غزہ کا نوحہ
- مقبوضہ مغربی کنارے کی امریکہ و کینیڈا میں فروخت
- تم انسانی دور کی بات، حیوان بھی نہیں
- می گویم: مسئلہ فلسطین کا دو ریاستی حل!
- اسرائیل: امداد پہنچانے والوں کو مجرم قرار دینے پر بھی مصر
- آپریشن طوفان الاقصیٰ: فلسطینی خواتین اور بچوں کی گرفتاریاں
- پیغام: فلسطینی شہید صحافی حسام شبات

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں

تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سیکڑوں کارواں اور بھی ہیں

قناعت نہ کر عالم رنگ و بو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں

اگر کھو گیا اک نشیمن تو کیا غم
مقامات آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے پرواز ہے کام تیرا
ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا
کہ تیرے زمان و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں
یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

کلامِ اقبال

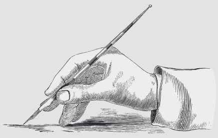

سازشوں کا دور۔۔۔

ٹائمز آف اسرائیل نے پانچ اپریل کو ایک خبر شامل اشاعت کی ہے جس میں دعویٰ کیا گیا ہے کہ نیو یارک ٹائمز نے ایک ویڈیو شائع کی ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ چند فلسطینی ایمبولینسوں کو خبردار کرنے کے لیے فائر انجن چلائے گئے تاکہ ایمرجنسی لائٹس سے انہیں باور کرایا جائے کہ وہ گذشتہ مہینے (23 مارچ) کو غزہ میں اسرائیلی فائرنگ رینج میں تھیں۔ ایک فوجی ترجمان نے انہیں بتایا کہ وہ نہایت مشتبہ انداز میں آگے بڑھ رہی ہیں۔ ان کی ہیڈ لائٹس بند تھیں اور ان کا رخ اسرائیلی افواج کی سمت تھا۔ اس امر کا علم تب ہوا جب ان ایمبولینسوں میں مارے جانے والے 15 فلسطینی طبی کارکنوں کے ایک موبائل فون سے لی گئی ویڈیو سے ہوا۔ اخبار نے مزید لکھا کہ اسرائیلی فوج کے ترجمان نادیو شوشانی (لیفٹیننٹ جنرل) نے کہا ہے کہ ہماری افواج کبھی بھی اندھیرے میں ٹارگٹ طے کیے بناء فائرنگ نہیں کرتیں اور یہ کہ واقعہ یوں ہے کہ حماس کی چند مشکوک ایمبولینسز حملہ کرنے کے ارادے سے پیش قدمی کر رہی تھیں جب ان پر جوابی حملہ کیا گیا۔

یہ خبر پڑھنے میں بھی اتنی ہی پر اسرار اور مشکوک ہے جس قدر اس کا بیان ہے۔ سادہ سی خبر یہ ہے کہ 23 مارچ کو جنوبی غزہ میں طبی امداد کا ایک قافلہ ایمبولینسز پر جانبِ منزل رواں دواں تھا۔ اسے محاصرے میں لے کر صہیونیوں نے اس پر فائرنگ کی، اسے ایک قبر نما گڑھے میں دھکیلا گیا اور اس میں موجود 15 کارکنوں کو زندہ درگور کر دیا گیا۔ اس اجتماعی قبر کے انکشاف پر یہ اہتمام کیا گیا کہ اسے نیو یارک ٹائمز سے دریافت کرایا گیا اور وہ کہانی تیار کی گئی جو اوپر ٹائمز آف اسرائیل نے بیان کی گئی ہے۔

اسرائیلی فوجیوں کو فوجی لکھنا بھی اس سروس کی توہین ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ فوجی فلسطینیوں کو نیم مردہ حالت میں اپنے سدھائے ہوئے، تل ابیب یونیورسٹی میں تربیت یافتہ کتوں کے آگے ڈالنے کے لیے جانے جاتے ہیں۔ ان کی شناخت یہ ہے کہ نوزائیدہ بچوں کو ان کے سر کے بالوں سے پکڑ کر حلقوم پر فوجی خنجر چلاتے ان کی ہی تیار کردہ ویڈیوز میں دنیا دیکھ چکی ہے۔ یہ قہقہے لگاتے اور خود بھی ان کی ویڈیوز بناتے دیکھے بل کہ دکھائے گئے ہیں۔ اس ویڈیوز نیوز پر تبصرہ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ صہیونی فوج کے ترجمان کو خواہ مخواہ بیچ میں ڈال کر معاملہ مزید مشکوک کر لیا گیا ہے۔

یہ طریقہ محض ایک فوجی ترجمان کے حوالے سے خبر تراشنے تک محدود نہیں ہے۔ صہیونی وزیر اعظم نیتن یاہو سرکاری دورے پر ہنگری پہنچے ہیں۔ وہاں بھی یہ خبر بنانے کی اپنی سی کوشش کی گئی ہے کہ ”آزاد دنیا“ اسرائیلی وزیر اعظم کو خوش آمدید کہہ رہی ہے۔ اس کے استقبال کے لیے انٹرنیشنل کریمنل کورٹ (آئی سی سی) کی وابستگی ترک کر رہی ہے۔ اسے اس امر کی رتی بھر پرواہ نہیں ہے کہ اس کورٹ نے اس ”مجرم وزیر اعظم“ کو ہیگ ٹربیونل میں پیش کرنے کا فیصلہ سنایا ہے۔

حقیقت اتنی سادہ نہیں ہے۔ اس دورے کے لیے ہنگری کا انتخاب بہت سوچ بچار کے بعد کیا گیا ہے۔ ہنگری وہ ملک ہے جہاں سے بڑی تعداد میں یہودی آباد کار اسرائیل لائے گئے ہیں۔ یہ وہ ملک بھی ہے جہاں کے یہودیوں کے بارے میں دعویٰ کیا جاتا ہے کہ نازی جرمنی نے ”ہولوکاسٹ“ میں گیس چیمبرز میں انہیں مارا تھا۔ یہی وہ ہنگری ہے جہاں یہودی چار لاکھ 67 ہزار کی تعداد میں تھے اور اب کم ہوتے ہوئے چند ہزار رہ گئے ہیں۔

یہودیوں کی ایک خاصیت ہے کہ ان کی تعداد دنیا کے دیگر تمام مذاہب کی نسبت کم ہو رہی ہے۔ ان کا دعویٰ ہے کہ خداوند کی پسندیدہ قوم ہیں۔ لیکن یہی نسلی مذہب کم سے کم ہوتا جا رہا ہے۔ یہ نسلی شناخت کا مذہب اب سکڑتا جا رہا ہے۔

ایک اور حیران کن خبر ”طلوع ہوتے ہوتے غروب“ ہو گئی ہے۔ اور وہ خبر یہ ہے کہ شمالی غزہ میں مارچ کے ہی آخر میں حماس کے خلاف مظاہرہ رپورٹ کیا گیا ہے۔ یہ عجیب مظاہرہ اس لیے ہے کہ اس کی جاری کردہ ویڈیو رائٹرز کی ہے۔ حیرانی کا عالم یہ ہے کہ شمالی غزہ کی جس شاہراہ پر یہ مظاہرہ ہوا ہے، اس کی زیادہ تر عمارتیں سلامت ہیں۔ اس سے بھی زیادہ حیرانی یہ ہے کہ مظاہرے کے اطراف میں تماشائیوں کی تعداد نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس سے بھی اہم بات یہ ہے کہ خبر کے مطابق حماس کے ڈنڈا برداروں اور رائفل برداروں نے اس مظاہرے کو منتشر کرنے کے لیے طاقت کا بے دریغ استعمال کیا ہے۔

اس سے قبل کہ یہ دیکھا جائے کہ جس مظاہرے کی بات ہو رہی ہے، وہ حقیقت میں کیا تھا، کیا وہ حماس مخالف واقعہ تھا، کیا وہ اس بات کا مطالبہ تھا کہ ہمیں بھی جینے کا حق دیا جائے؟ اگر ایسا تھا تو کس ماحول میں کیا عوامل تھے جن کے زیر اثر کچھ بھی ہوا؟

یہ دیکھنا چاہیے کہ شمالی غزہ میں لوگ جمع ہوئے یا کیے گئے، عام فلسطینی شریک تھا یا نہیں؟ مظاہرے کا اہتمام کس نے اور کس طرح کیا؟

پہلی بات تو یہ ہے کہ شمالی غزہ خالی کرانے کے لیے صہیونی فوج مسلسل دباؤ اور دھونس، طاقت اور تشدد کا بے محابا اور بے پناہ استعمال کرتی رہی ہے۔ بارہا فلسطینی

شمال سے جنوب کی سمت دھکیلے جاتے رہے اور سینکڑوں اس دوران میں شہید اور زخمی کیے گئے۔ ہسپتال حماس کے کمانڈ اینڈ کنٹرول سنٹرز قرار دے کر تباہ کیے گئے۔ سکول بھی اسی طرح سے میزائیلوں سے اڑائے گئے۔ صحت کی دیگر سہولتیں تباہ کی گئیں۔

اس خطے میں، پورے غزہ کے فلسطینی زندہ رہنے کا حق مانگتے رہے۔ یہی مطالبہ تھا جو یہاں کے رہنے والے کرتے رہے۔ رہا یہ سوال کہ اس مبینہ مظاہرے کا انتظام کرنے والے کون تھے، تو سادہ سا جواب یہ ہے کہ دو ہی فریق یہ کام کرنے کے قابل تھے۔ پہلا فریق حماس تھا اور دوسرا فریق اسرائیل!

حماس نے جنگ بندی معاہدے پر عمل درآمد اور اس کے ساتھ ساتھ غزہ کے عمومی انتظامی امور سنبھالنے شروع کیے تو پہلی ترجیح یقیناً کوئی احتجاج یا مظاہرہ نہیں تھا۔ جب اسرائیلی یرغمالی ریڈ کراس کے سپرد کیے جا رہے تھے تو حماس کا انتظامی کردار سامنے آنا شروع ہوا۔ حماس کے اہل کار مقامی پولیس اور نظام نافذ کرنے والے دیگر اداروں کے افراد سمیت منظر عام پر آتے گئے۔ ان کے پاس مظاہرے کرنے کا وقت تھا اور نہ ہی ضرورت۔

اسرائیل کی ضرورت تھی کہ حماس کے خلاف سیاسی فضا کسی طرح سے بھی ہو، تیار کی جائے۔ تاہم اسرائیل براہ راست یہ کام کرنے کا اہل تھا اور نہ اس کے پاس عوامی تائید تھی کہ وہ ایسا کر سکتا۔ اس کی ایک ہی صورت ہو سکتی تھی کہ تیسرا فریق میدان میں اتارا جائے۔ یہ تیسرا فریق اقوام متحدہ اور دیگر اداروں کے امدادی کارکن تھے۔

اس کام کے لیے کسے میدان میں اتارا جائے؟ ایک ایسا فرد جو آسانی سے یہ کام کر سکے، اسے درپردہ اسرائیلی فوج اور حکومت کی حمایت حاصل ہو، جو درکار حمایت جمع کر سکے، جس کی رسائی مغربی کنارے کے بعد مخصوص حلقوں تک ہو۔ اسے امریکی سی آئی اے سے بھی سپورٹ استعمال کرنا آتی ہو۔ یہ کام کرنے کے لیے ایک کردار محمد دحلان کو میدان میں اتارا گیا۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اسرائیل کی جنگی کابینہ میں یہ سوال تنازعہ کا سبب بنا رہا کہ حماس کے بعد غزہ کا انتظام کیا ہوا؟ نیتن یاہو فوری طور پر اس سوال کا جواب دینے کی پوزیشن میں نہ تھے۔ وہ چاہتے بھی تو یہ جواب وہ دینا نہیں چاہتے تھے۔ یہی وجہ پہلے اسرائیل کے سکیورٹی چیف، پھر وزیر دفاع اور پھر آرمی چیف کے منظر سے ہٹنے کی بنی۔

یہ بات بھی اہم ہے کہ ابراہام معاہدے سے فیض یاب ہونے والے ایک متمول خلیجی ریاست کے اندر اسرائیلی لابی بہت گہری اور مضبوط ہے۔ اس کا سکیورٹی نظام بھی بہت حد تک اسرائیل کا مرہون منت ہے۔ محمد دحلان بھی ان دنوں اسی ریاست کے شاہی مہمان ہیں۔

غور طلب نکتہ یہ ہے کہ ایسا شخص جو کبھی مصری صدر کا مہمان ہو اور کبھی دوسرے عربوں کے در کا غلام ہو، وہ غزہ میں کیا کر سکتا ہے؟ سوال یہ نہیں ہے۔ معاملہ یوں ہے کہ اسے کچھ بھی کرنا نہیں ہے۔ دیا گیا کام کرنا ہے اور اپنا چہرہ پیش کرنا ہے۔ اس نے یہی کیا۔ سی آئی اے کے ایجنٹوں کا یہی کام رہ جاتا ہے۔ چناں چہ مظاہرہ سجایا گیا لیکن اس کے ہو جانے کے بعد محمد دحلان کا کردار سمیٹ دیا گیا۔ اب اس کی ضرورت نہیں تھی۔

اسی طرح کا ایک کردار عراق جنگ کے خاتمے کے قریب سامنے لایا گیا تھا۔ یہ احمد شیلالی تھے۔ پروفیشن کے اعتبار سے وہ کنٹریکٹر یعنی ایجنٹ تھے۔ صلاحیت کے حوالے سے آرکیٹکٹ تھے۔ بڑا چرچا رہا کہ صدام حسین کا متبادل ہوں گے، پھر کہیں دکھائی ہی نہ دیے۔ یہی حال محمد دحلان کا ہوا ہے۔

امریکہ اور اسرائیل کے کارڈز ایک ایک کر کے حماس کے مقابلے میں ختم ہو رہے ہیں۔ ان کے ختم ہونے سے فلسطینی زندگی اجیرن ہوتی جا رہی ہے۔ جنگ بندی معاہدہ اسرائیل کے مقاصد کی ناکامی تھی۔ امدادی قافلوں کا روکا جانا فلسطینی زندگی کے مشکلات سے اور بھی زیادہ دوچار ہونا تھا لیکن اسرائیل کی نفسیاتی برتری کا خاتمہ اور اس کا مزید الجھنا تھا۔ غزہ پر بمباری کرنا اس کے شہری ردعمل سے مایوس ہونا تھا۔ گویا حماس کے خاتمے کا اعلان بہت قبل از وقت تھا۔

اس عرصے میں محمود عباس اور اس کی فلسطینی اتھارٹی نے نہ صرف امریکہ اور اسرائیل کو مایوس کیا بلکہ اوسلو معاہدے کے لیے بھی حالات کو ابتر سے بھی بدتر کر دیا۔ مشرق وسطیٰ میں غزہ بوزن ریور یا دراصل اسرائیل کا فائدہ صرف اس صورت میں تھا کہ عربوں کو مزید بلیک میل کیا جا سکتا۔ لیکن عربوں نے ہاتھ نہ پکڑایا اور خود ریور یا بنانے چل نکلے۔ وہ غزہ کے ساتھ نہ تھے لیکن اپنے ساتھ بھی نہ رہے۔

اس صورت حال نے عرب دنیا کے حواس بھی بحال نہ رہنے دیے۔ امریکہ تیل کی دولت سے مالا مال ایک عرب بادشاہت سے 1600 ارب کے بجائے ایک کھرب ڈالر کا مطالبہ لے آیا ہے۔ یہ سیدھی بلیک میلنگ ہے اور عرب اس کے لیے تیار ہوتے نظر آتے ہیں۔

دوسرا اور غالباً آخری کارڈ ابراہیمی معاہدوں کا ہے۔ دکھائی یہ دے رہا ہے کہ غزہ سے بچنے کے لیے ان معاہدوں پر آنا مجبوری بن سکتا ہے۔ عرب بچنا چاہیں تو ایسا ممکن ہے۔ یوں لگتا ہے کہ لبنان یا شام، یمن اور ایران ایک اور جنگ کی لپیٹ میں آ سکتے ہیں۔ کیا اس جنگ کو ٹالا جا سکے گا؟

سادہ و رنگیں ہے داستانِ حرم

دیر یاسین اور شمالی غزہ: تاریخ اور عزیمت

اس سال کے شروع میں غزہ کے شمال میں انسانی عزیمت کی جدید داستانِ فلسطین تحریر کی گئی۔ لاکھوں انسانوں کو اسلحہ اور بارود کے ذریعے شمال سے جنوب دھکیلا جاتا رہا۔ کئی مرتبہ شمال خالی کرایا گیا اور کتنی ہی بار وہاں کے مکین لوٹ کر آتے رہے۔ انہیں جنوب کی جانب جانے پر بارہا مجبور کیا گیا۔ بے شمار شہادت کے مرتبے پر فائز ہوئے اور لاتعداد زخمی ہوئے۔ اس کے باوجود وہ شمالی غزہ واپس آتے رہے۔

آج سے 75 سال پہلے فلسطین میں اسرائیل بنایا جارہا تھا۔ ڈاکٹر تھیوڈر ہرزل اس وقت کا بنجمن نیتن یاہو تھا۔ تب کوئی بین الاقوامی عدالت نہیں تھی جو ڈاکٹر ہرزل کو جنگی جرائم کا مجرم قرار دیتی۔ اس وقت سلوبوڈان جیسے کردار موجود تھے جنہوں نے 1995ء کا بوسنیا تباہ و برباد کردیا تھا۔ ان میں جارج بش سینئر بھی تھا جس نے بوسنیا سے چند سال قبل اپنے وزیر دفاع ڈونلڈ رمزفیلڈ کے ذریعے عراق تباہ کردیا تھا، ان میں بش جونیئر بھی تھا جس نے 2001ء سے افغانستان تباہ کرنا شروع کیا تھا۔

اگر فلسطین کو سامنے رکھا جائے تو ماضی کھلی کتاب ہے۔ اس کا ایک بڑا اور اہم حوالہ اسرائیل کی ناجائز ریاست کا ظلم و جور کے ذریعہ قیام ہے۔ اس میں دیر یاسین وہ زخم ہے جسے مندمل ہونے کے لیے آزاد فلسطین کا قیام بہت ضروری ہے۔ عالم اسلام کے ہر دل کی دھڑکن فلسطین ہے اور اس کے ہر موجود حکمران کی غفلت بھی فلسطین ہے۔

75 برس قبل صہیونیت کے ملیشیا فلسطین کے طول و عرض اور قرب و جوار میں دندناتے پھر رہے تھے۔ دیہات اجاڑے جارہے تھے۔ اسرائیل کی ناجائز ریاست بنائی جارہی تھی۔ ان دیہات میں قتل و غارت گری جاری تھی۔ ہر بچہ، بوڑھا اور جوان شہید کیا جارہا تھا۔ جو زندہ بچ سکا، اسے ہانک کر فلسطین بدر کیا جارہا تھا۔ رپورٹوں کے مطابق اس وقت 15 ہزار فلسطینی شہید کیے گئے تھے۔ ہزاروں لاکھوں کو ان کے اپنے گھروں کو چھوڑنے پر مجبور کردیا گیا۔ ان کو پناہ گزین کیمپوں میں منتقل ہونا پڑا۔ ایک بڑی تعداد شام، مصر اور اردن دھکیل دی گئی۔ اسے فلسطینیوں نے نکبہ کا نام دیا جس سے مراد تباہی، قیامت اور بربادی ہے۔

اس سال اقوام متحدہ اس نکبہ کی مناسبت سے فلسطینیوں کے قوت کے بل پر نکالے جانے، ان کے گھروں پر قبضے، ان کی زرعی لہلہاتی زمینوں کے ہتھیائے اور ان کے کاروبار چھین لیے جانے کے واقعہ 15 مئی 1948ء سے جوڑتے ہوئے یہ دن اس طرح منا رہی ہے کہ اس کے زیر اہتمام 15 مئی 2025ء کو اعلیٰ سطحی کانفرنس کا انعقاد کیا جارہا ہے۔

فلسطینی آج تک اپنے گاؤں، دیہات اور شہر بھول نہیں سکے۔ انہیں آج بھی یقین ہے کہ انہیں اپنے ان علاقوں،

گھروں اور کاروباروں پر واپسی کا حق ملے گا۔ اقوام متحدہ کی قراردادیں میں اس حق کو تسلیم کرتی ہیں۔

انہی دیہات میں ایک اہم پیغام دیر یاسین کے نام سے تاریخ کے صفحات میں اور ہر فلسطینی کی یادوں میں آج بھی زندہ ہے۔ یہ مقام بیت المقدس کے مغرب میں ایک پہاڑی پر قائم گاؤں کا نام ہے۔ یہ وہ استعارہ ہے جس سے فلسطین پر اسرائیل کے نام پر خون آلود قبضے کی تحریر لکھی ہوئی ہے۔

اسرائیل کی تشکیل کے چند ہفتے قبل 9 اپریل 1948ء صہیونیت کے دو ملیشیا گینگ ارگون اور سٹرن گینگ کے دہشت گردوں نے دیر یاسین پر دھاوا بولا تھا۔ ان کے پہلے حملے میں 107 فلسطینی شہید ہوئے تھے۔ اس دھاوے سے بچ جانے اور حملہ کرنے والوں کے بیانات اب تاریخ کا حصہ ہیں۔ دیر یاسین میں بہت سے فلسطینی ذبح کر دیے گئے تھے۔ ان میں سے بہت سے درختوں سے باندھ کر زندہ جلا دیے گئے تھے۔ ایک واقعہ میں ایک تعداد کو دیوار کی طرف منہ کروا کے گولیوں سے اڑا دیا گیا تھا۔ ان پر مشین گنوں سے فائر کھول دیا گیا تھا۔ ان میں بچے، جوان، بوڑھے اور مرد وزن سب تھے۔ جوں جوں اس قتل عام کی خبریں پھیلتی گئیں، لوگ اپنی جان کے تحفظ کے لیے گھروں سے نکال دیے گئے۔ رپورٹوں کے مطابق 7 لاکھ فلسطینی بے سروسامانی کے عالم میں ان کے علاقوں سے پہلے سے اسی منصوبے کے تحت قائم پناہ گزین کیمپوں میں دھکیل دیے گئے۔

وہ جمعہ کا دن تھا۔ لوگ نماز جمعہ کی تیاریوں میں مصروف تھے جب دیر یاسین پر ارگون اور سٹرن ملیشیا حملہ آور ہوئے۔ دیر یاسین میں 700 افراد رہائش پذیر تھے۔ یہ زیادہ تر محنت کش تھے۔ کسی بھی متوقع حملے سے بچنے کے لیے بیت المقدس جانے والی شاہراہ پر رکاوٹیں کھڑی کی گئی تھیں۔ اسرائیل کا بیانیہ یہ ہے کہ اس رکاوٹ کی وجہ سے ادھر حملہ کیا گیا۔ دیہاتیوں نے سخت مزاحمت کی۔ حقیقت اس کے برعکس تھی۔ دیہات کے لوگ یا دیر یاسین کے لوگ کسی اسلحہ کے بغیر تھے۔ صہیونی ملیشیا نے گھر گھر حملہ اور تلاشی کا سلسلہ شروع کیا۔

اس گاؤں کے لوگوں نے ہگانہ کے ساتھ عدم جارحیت کا معاہدہ کیا تھا۔ ہگانہ صہیونی فوج تھی بعدازاں اسرائیل کی فوج بنائی گئی۔ اس کے فوجیوں نے بے رحمی سے فلسطینیوں کا قتل عام کیا۔ اقوام متحدہ میں برطانوی وفد نے 1948ء کی ایک رپورٹ میں اعتراف کیا کہ کم و بیش 250 کی تعداد میں فلسطینی آبادی کا وحشیانہ انداز میں صہیونی ملیشیا نے قتل کیا۔ عورتوں اور بچوں کو لباس اتارنے پر مجبور کیا گیا۔ قطار میں کھڑا کیا گیا، ان کی تصویریں بنائی گئیں، پھر خودکار ہتھیاروں سے ان پر فائر کھول دیا گیا۔

جن کو گرفتار کیا گیا، ان پر ناقابل بیان تشدد کیا گیا۔

اسرائیلی مؤرخ بینی موریس نے لکھا کہ صہیونی ملیشیا نے ہر شے تباہ کر دی یا لوٹ لی، رقم چوری کر لی گئی، گھر گھر لوٹ مار کی گئی۔ ریڈ کراس کا ایک نمائندہ 11 اپریل کو دیر یاسین میں داخل ہوا۔ اس نے بتایا کہ ایک غار میں اوپر تلے ڈھیر کی صورت میں پڑی اس نے کم و بیش 150 افراد لاشیں دیکھیں۔ 50 مزید افراد کو مارنے کے بعد مختلف مقامات پر پھینک دیا گیا تھا۔ اس کا مقصد خوف پھیلانا تھا۔

مشہور یہودی دانش ور مارٹن بوبر نے لکھا ہے کہ یہ واقعات بدنامی کا باعث بنے۔ اس کے مطابق دیر یاسین میں سینکڑوں مرد وزن اور بچے اسی طرح سے ہلاک وزخمی کر دیے گئے۔ مارٹن کا کہنا تھا کہ سینکڑوں انسانوں کا یہ گاؤں بھوت نگر بن گیا تھا۔

مورس نے دیر یاسین کے قتل عام کے اثرات پر لکھا کہ اس کے نتیجے میں مقامی آبادی خوف کے زیر اثر اور جانیں بچانے کے لیے وہاں سے بھاگ نکلی۔ اس قتل عام نے ملحقہ علاقوں میں بھی خوف پیدا کیا اور لوگ وہاں سے بھی نکلے۔ سینکڑوں ہزاروں لوگ ان دیہات سے سب کچھ چھوڑ کر نکلے۔ اسرائیلی مؤرخ ایلان پاپے نے بھی ان واقعات کو اسی طرح رپورٹ کیا۔ ساتھ کے دیہات کالونیہ، سارس، بیت سوراک اور بائیڈو بھی اسی دوران میں خالی کرا لیے گئے۔

یہودی فوج نے ہر فلسطینی گاؤں کو دشمن شمار کیا۔ اس مقصد کے لیے ترتیب دیے گئے منصوبے کو Plan Dalet کا نام دیا گیا تھا۔ اس کی منصوری ڈیوڈ بن گوریان نے دی تھی۔ اس قتل عام نے مزید واقعات کی راہ ہموار کی۔ اس کے بعد قتل و غارت کا سلسلہ چل نکلا۔ فلسطینی جہاں مزاحمت کر سکے، وہاں انہوں نے مقابلہ کیا۔

فلسطینیوں کو منتشر کرنے میں دیر یاسین واقعہ کا کردار بنیادی تھا۔ اب جب بھی اسرائیل کے قیام کا تذکرہ ہوگا، دیر یاسین کا ذکر لازمی طور پر ہوگا۔

رپورٹ: عبدالرحمٰن السدیس

غزہ کا مسئلہ محض اختلافی یا مذہبی نہیں بل کہ انسانی حقوق کا ہے

اسلام آباد (صباح نیوز) سابق امیر جماعت اسلامی سراج الحق نے کہا ہے کہ غزہ کا مسئلہ محض اختلافی یا مذہبی نہیں بلکہ انسانی حقوق کا ہے، اہل فلسطین ایک ناجائز حکومت کا نسلی برتری اور نسل پرستی کی بنیاد پر نسل کشی کی پالیسی کے خلاف جہاد کر رہے ہیں۔ ان خیالات کا اظہار انہوں نے جماعت اسلامی اسلام آباد کی جانب سے منعقدہ ری بلڈ غزہ کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔

اس موقع پر امیر جماعت اسلامی اسلام آباد نصراللہ رندھاوا، جنرل سیکرٹری زبیر صفدر، فرینڈز آف فلسطین کے راہنما بلال اطلس سمیت مختلف شعبہ ہائے زندگی سے تعلق رکھنے والے بااثر افراد بھی موجود تھے۔

سراج الحق نے کہا کہ اسرائیل کے ان انسانیت سوز مظالم پر پاکستان سمیت پوری دنیا سراپا احتجاج ہے۔ امریکا، برطانیہ اور فرانس سمیت دنیا بھر سے فلسطینیوں کی حمایت میں آوازیں بلند ہو رہی ہیں، لیکن اس کے باوجود فیصلہ ساز عالمی قوتوں کا ضمیر مستقلاً سویا ہوا ہے۔ اگرچہ اقوامِ متحدہ کی جنرل اسمبلی کے اجلاس میں پاکستان کے سفیر نے اپنی تقریر سے مظلوم فلسطینیوں کی حمایت کا حق ادا کرنے کی کوشش کی، لیکن یہ کافی نہیں۔ ہمیں عالمی قوتوں کا ضمیر جگانے اور مظلوم اہلِ فلسطین کی ہر ممکنہ مالی و اخلاقی مدد کرنی چاہیے۔

ماہِ مبارک کی وساطت سے ہماری دعا ہے کہ فلسطین میں جاری آگ وخون کا خوف ناک کھیل جلد از جلد ختم ہو اور فلسطینی مسلمان بھی سکھ کا سانس لیں۔ امیر جماعت اسلامی اسلام آباد نصراللہ رندھاوا کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ گزشتہ برس 7 اکتوبر سے فلسطین پر شروع ہونے والی اسرائیل کی وحشیانہ بم باری آج بھی جاری ہے۔ جس کے نتیجے میں شہر کے شہر کھنڈرات میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

حالیہ اعداد و شمار کے مطابق فلسطینی آبادیوں پر کی جانے والی بم باری کے سبب اب تک 50 ہزار سے زائد فلسطینی شہید جب کہ ایک لاکھ سے زائد زخمی ہو چکے ہیں۔ اور اس وقت فلسطین میں ایک قیامتِ صغریٰ برپا ہے۔ جس بے شرمی کے ساتھ مغربی ممالک، ہندستان اور اقوامِ متحدہ نے غزہ کے مظلوم مسلمانوں کے ساتھ بے اعتنائی اور انسانی حقوق کی پامالی کو گوارا کیا ہے، اس کے بعد ان اداروں اور ممالک سے کسی خیر یا تعاون کی امید رکھنا عقل مندی کے منافی ہے۔

اس بات کی ضرورت ہے کہ مسلم ممالک آنکھیں کھولیں اور خود کو مغربی اداروں کی معاشی غلامی سے نکالنے کے لیے ایک عالمی مالی ادارہ قائم کریں جو ان کے معاشی مسائل میں امداد کرے۔ اس کے ساتھ ہی نظام تعلیم میں بنیادی اصلاحات کریں تا کہ قوم میں اعتماد پیدا کریں اور یوں القدس کی آزادی آج نہیں تو کل باشعور مسلم نوجوانوں کے ذریعے عملی شکل اختیار کر سکے۔

خصوصی رپورٹ: رُبی مَیسُون

مغربی کنارہ: آبادکاروں کے حملے، اسرائیلی کارروائیاں اور مقدمے

مغربی کنارے میں آباد فلسطینیوں کو مسلسل ایسے تشدد کا سامنا ہے جس میں انہیں انسانی بنیادوں پر تحفظ اور امداد کی ضرورت پڑتی ہے۔ اس صورت حال میں بنیادی مسئلہ یہ ہے کہ اس امداد اور تحفظ کی فراہمی میں اسرائیلی ادارے فلسطینی متاثرین کے بجائے ان پر تشدد کرنے والے صہیونی آبادکاروں کو حق دار قرار دے دیا جاتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایسی امداد اور تحفظ متعلقہ صہیونی حکام کے ذریعے پہنچائی جاتی ہے۔ یہ حکام عام طور پر اسرائیل یا بصورت دیگر فلسطینی اتھارٹی سے تعلق رکھتے ہیں۔

اس کام کے لیے اقوام متحدہ کا ادارہ ذمہ دار ہوتا ہے۔ مغربی کنارے اور مقبوضہ بیت المقدس میں رونما ہونے والے واقعات میں عام طور پر اسرائیل اور اس کی قابض فوج، انٹیلی جنس کے ادارے، مقامی پولیس اور دیگر صہیونی تنظیمیں ملوث ہوتی ہیں۔ ان میں بڑا حصہ یہودی آبادکاروں کا ہوتا ہے۔ یہ سلسلہ 2006ء سے زیادہ منظم انداز سے جاری ہے جس میں 2017ء سے زیادہ شدت آتی گئی ہے۔

اقوام متحدہ کا ادارہ برائے مربوط انسانی امداد مقبوضہ فلسطین کے اداروں میں اپنی سرگرمیوں کو منظم کرتا ہے۔ یہ ادارہ دنیا کے مختلف متاثرہ علاقوں میں بھی موجود ہے۔ اس کی ذمہ داری یہ ہے کہ لوگوں کو تشدد سے بچانے اور زندگیوں کے تحفظ کے فرائض سرانجام دے۔ جن واقعات میں تشدد کا عنصر شامل ہو، لوگوں اور مقامی آبادی یا اس کے حصوں کو خوف زدہ کیا جاتا ہو اور فلسطینی کمیونٹی کے خلاف طاقت استعمال کی جارہی ہو، یہ ادارہ حملہ آوروں کی شناخت کرنے، تشدد کا نشانہ بننے والوں، یہودی آباد کاروں کے حملوں سے متاثر ہونے والوں کی بالخصوص مغربی کنارے اور مقبوضہ بیت المقدس میں نشان دہی کرتا ہے۔ اس کے باوجود متاثرہ فلسطینی آبادیاں ایسی ہیں جن پر آبادکار حملے کرتے رہتے ہیں۔ اس کے نتیجے میں درج ذیل واقعات رونما ہوتے ہیں:

-۔ قتل وغارت: ان واقعات میں فلسطینی شہید کیے جاتے ہیں اور وہ زخمی بھی ہوتے ہیں۔ ان واقعات میں صرف متاثرہ فلسطینی شمار کیے جاتے ہیں جو مارے جائیں یا زخمی کردیے جائیں۔ ان کے علاوہ نفسیاتی تشدد سے متاثر ہونے والوں کو شامل نہیں کیا جاتا۔

-۔ جائیداد کا نقصان: اس میں ہر طرح کی تباہی شامل ہے، ان میں گھروں میں آبادکاروں کا گھس کا سامان کی

توڑ پھوڑ کرنا، اشیاء اٹھا لے جانا، قیمتی چیزیں چھین لے جانا، آلات ضرورت اٹھا لے جانا، مویشیوں کو لے جانا، ان سے حاصل ہونے والی پیداوار اٹھا لے جانا شامل ہیں۔ کھیتی باڑی کی زمین پر قبضہ کرنا یا اسے کسی بھی طرح سے نقصان پہنچانا جائیداد یا ملکیت کا نقصان نہیں قرار دیا جاتا۔ صرف اس صورت میں نقصان قرار دیا جاتا ہے جب کھیت سے فصل مکمل تباہ یا صاف کر دی گئی ہو۔

۔۔ قتل یا جائیداد کے علاوہ نقصان کو شمار نہیں کیا جاتا۔ کسی خاندان کو خوف زدہ کرنا کوئی واقعہ نہیں سمجھا جاتا۔ جسمانی حملہ معمول ہے، اسے شمار نہیں کیا جاتا۔ مقبوضہ بیت المقدس اور مغربی کنارے میں ایسے واقعات عام ہیں۔ جس واقعہ میں کوئی فرد یا اہل خانہ زخمی کر دیا جائے لیکن وہ قتل نہ ہوا ہو، خواہ کتنا ہی شدید زخمی ہوا ہو، اسے واقعہ شمار نہیں کیا جاتا۔

ان واقعات میں صرف اسے حملہ آور کہا جاتا ہے جس نے کسی فرد کو قتل کر دیا ہو، جائیداد مکمل تباہ کر دی ہو اور اسے شناخت کر لیا گیا ہو۔ فلسطینیوں کے خلاف حادثات میں حملہ آور ایک اسرائیلی آبادکار بھی ہوسکتا ہے، سیکیورٹی اہلکار بھی ہوسکتا ہے جو کسی ایسے واقعہ میں ملوث ہو جس میں آبادکار ملوث ہو۔

جس واقعہ میں حملہ آور فلسطینی قرار پائے یا اسے "Other" سمجھا جائے یا وہ یہودی آبادکار ہو، اسے سزا دی جاتی ہے۔ ایسی صورت میں جب ڈیٹا جمع کیا جاتا ہے تو آبادکاروں کے ملوث ہونے کی شکل میں یہ متعین کیا جاتا ہے کہ وہ "فلسطینی" تھا یا نہیں۔ اس صورت میں معلومات جمع کرنے کے ذرائع بہت سے ہوسکتے ہیں۔ مثال کے طور پر بلدیاتی اداروں کے حکام، فلسطینی ضلعی رابطہ آفیسرز، اقوام متحدہ کی ایجنسیاں، انسانی حقوق کے ادارے اور ذرائع ابلاغ کی رپورٹس۔ جس بھی حادثے کی بیان کردہ شدت نمایاں ہو تو پھر فیلڈ وزٹ کا اقوام متحدہ کا ادارہ انتظام کرتا ہے۔ اس طرح سے ابتدائی ڈیٹا جمع کیا جاتا ہے۔ اگر کوئی یہودی آبادکار ملوث پایا جائے تو ایسی سرگرمی نہیں کی جاتی۔

کسی آبادکار کے خلاف کوئی واقعہ رونما ہوا ہو اور اس میں کوئی فلسطینی کے ملوث پائے جانے کا امکان ہو تو معلومات جمع کرنے کے لیے ذرائع ابلاغ کی رپورٹس دیکھی جاتی ہیں، اسرائیلی حکام سے رجوع کیا جاتا ہے یا اسرائیلی سول سوسائٹی کی تنظیموں سے رابطہ کیا جاتا ہے۔

7 اکتوبر سے مغربی کنارے میں فلسطینیوں کے خلاف روزانہ کی بنیاد پر چار واقعات میں تشدد پایا گیا ہے۔ یہ نوٹ کیا گیا ہے کہ آبادکاروں کے اس تشدد کی وجہ سے اسرائیلی آبادکار زیادہ متحرک ہوئے ہیں۔ انہیں اسرائیلی سیکیورٹی اہلکاروں کی مدد حاصل رہی ہے۔ انہوں نے یومیہ فلسطینی زندگی اور جائیداد کو نقصان پہنچایا ہے۔

غزہ میں جاری تباہ کن حملوں میں مغربی کنارے میں اسرائیلی فوج کے حملوں میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ اسی طرح مغربی کنارے میں قابض فوج اور آبادکاروں کے حملوں کی شدید بہت بڑھ گئی ہے۔ اکتوبر 2023ء سے دسمبر 2024ء تک مغربی کنارے میں قابض فوج اور اس کی انٹیلی جنس ایجنسیوں کے ساتھ آبادکار یہودیوں کے 1860 واقعات ریکارڈ کیے گئے ہیں۔ اقوام متحدہ کا ریکارڈ بتاتا ہے کہ روزانہ کی بنیاد پر تشدد کے چار واقعات ہوتے رہے ہیں۔ نابلس میں 411، رام اللہ میں 410 واقعات اس مدت میں ہوئے ہیں جب کہ الخلیل میں ان کی تعداد 362 واقعات رہی ہے۔

فلسطینیوں کی زمینوں اور جائیدادوں میں 1967ء سے یہودی آبادکاروں کو دنیا کے مختلف حصوں سے لاکر بسایا گیا ہے اور یہ سلسلہ اب تک جاری ہے۔ اس وقت بنجمن نیتن یاہو ایسے وزیر اعظم ہیں جو اب تک سب سے زیادہ مدت سے عہدے پر براجمان ہیں۔ انہوں نے آبادکاروں کی بستیوں میں سب سے زیادہ وسعت کی ہے۔ یہ 1996ء سے اقتدار میں آتے رہے ہیں۔ انہوں نے ریکارڈ تعداد میں اوسلو معاہدے کی خلاف ورزی کی ہے۔ معاہدے کے تحت دو ریاستی حل کی مسلسل عملی طور پر نفی کرتے آرہے ہیں۔ نیتن یاہو نے اپنے اس دور اقتدار میں 6 سے ساڑھے 7 لاکھ آبادکار یہودیوں کو مغربی کنارے میں پھیلا کر آباد کیا ہے۔ انہوں نے اب تک ان آبادکار بستیوں میں 250 نئی بستیوں کا اضافہ کیا ہے۔ ان بستیوں کو وہاں آباد کیا گیا ہے جہاں فلسطینی آبادیاں گنجان آباد ہیں۔ ان کا مقصد یہ ہے کہ فلسطینیوں کو مسلسل ذہنی دباؤ میں رکھا جائے۔ ان پر اسرائیلی خفیہ ایجنسیوں کی سرپرستی میں تشدد کیا جائے جس سے انہیں اپنے گھر بار کے تباہ ہونے کا اندیشہ لاحق رہے۔ وہ متبادل رہائش کے لیے سوچنے پر مجبور ہوں۔

صدر ٹرمپ نے اقتدار میں آتے ہی ایگزیکٹو آرڈر جاری کیا۔ اس کے تحت اسرائیل پر جو بائیڈن کے دور اقتدار میں جو پابندیاں عائد گئی تھیں، ان کی مالیت ایک ارب ڈالر تھی۔ وہ پابندیاں ختم کرنے کا اعلان کیا۔ ان پابندیوں سے ان آبادکار یہودی تنظیموں کو سزا دینا تھا جو مسلسل فلسطینیوں پر عرصۂ حیات تنگ رکھتے آرہے تھے۔ یہ آبادکار فلسطینیوں کو اغوا کر لیتے، ان کے گھر اور کاروبار پر حملہ آور ہو کر تباہ کر ڈالتے اور شہری آبادیوں میں راہ چلنے، گھر میں موجود یا اپنے کاروبار میں مصروف فلسطینی مرد و زن کو حملہ کر کے زخمی کر دیتے، ان کے گھروں پر قابض ہو جاتے، ان کے کھیتوں میں کھڑی فصلیں جلا ڈالتے تھے۔

اب یہ سلسلہ امریکی سرپرستی میں دوبارہ چل نکلا ہے۔ جو بائیڈن کی صدارت میں یہ پابندیاں لگی رہی تھیں۔

اپنے پہلے دور اقتدار میں اسرائیل کی بعض پالیسیوں کا سہرا صدر ٹرمپ اپنے سر باندھتے آئے تھے۔ ان میں بیت المقدس کو اسرائیل کا دارالحکومت تسلیم کرنا، آبادکار بستیوں کو تعمیر کرنا اور وسعت دینا، فلسطینیوں کی امداد بند کرنا، عرب ممالک کو ابراہام معاہدوں پر مجبور کرنا جن سے اسرائیل تسلیم کرانے کی راہ ہموار کرنا اور عرب اسرائیل تعلقات معمول پر لانے کے اقدامات کرانا شامل تھے۔

اسرائیل میں آبادکاروں کی حوصلہ افزائی کی پالیسی میں بلا روک ٹوک شدت لانا بھی نیتن یاہو ٹرمپ مشترکہ تیزی بھی ٹرمپ کے "سنہری کارناموں" میں سے ایک تھی۔ ان آبادکاروں کے فلسطینیوں پر تشدد میں اضافہ پر اقوام متحدہ کے ہائی کمشنر برائے انسانی حقوق نے تشویش کا اظہار کیا ہے۔

جب سے غزہ پر اکتوبر 2023ء سے اسرائیل نے جنگ مسلط کر رکھی ہے، مغربی کنارے کے مختلف حصوں میں صہیونی فوج کے حملوں میں شدت آئی ہے۔ ان کا نوٹس جنگ کی تباہ کاریوں میں نہیں لیا گیا۔ ان حملوں میں 870 فلسطینی مار دیے گئے۔ ان میں 177 بچے بھی شامل ہیں۔ ان میں سے زیادہ تر کو ان کے گھروں سے نکال کر بلا اشتعال آبادی کو خوف زدہ کرنے کے لیے مارا گیا۔ ان حملوں میں 6700 فلسطینی شدید زخمی کر دیے گئے۔ یہ سارے حملے آبادکاروں نے کیے۔ صہیونی فوج کے حملے اس کے علاوہ ہیں۔

صہیونی فوج نے مغربی کنارے سے اس مدت میں 13,500 فلسطینی گرفتار کیے ہیں، 2100 گھر یا کاروبار بلڈوز کر دیے گئے۔ ان کے علاوہ 6700 مرد و زن کو ان کے گھروں سے بے دخل کر دیا گیا۔ ان کے گھر یا بلڈوز کر دیے گئے یا آبادکاروں کے حوالے کر دیے گئے۔

جائزہ: ابوالعین

مغربی کنارے میں تشدد: آبادکاروں پر پابندی کیسے ہوا ہوئی؟

جو بائیڈن حکومت نے اسرائیل کی غزہ جنگ میں بلاشبہ مدد اور حمایت کے نئے ریکارڈ قائم کیے۔ تاہم اسی حکومت نے اپنے اقتدار کے دوسرے مہینے میں اسرائیل ہر ایک ارب ڈالر کی امداد پر پابندی لگا دی تھی۔ یہ امداد اسرائیل کو ہر سال ملتی تھی۔

اپنے دوسرے عہد اقتدار کے بالکل پہلے جن صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے حکم جاری کیا اور اس پابندی کو ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس پابندی کے خاتمے سے اسرائیل کو اس کی تاریخ میں ایک ارب ڈالر کی مالی پابندی سے آزاد کر دیا۔ جو بائیڈن نے یہ پابندی اس لیے لگائی تھی کیوں کہ یہودی آبادکاروں کا تشدد اور حملے فلسطینیوں پر شدت اختیار کر گئے تھے۔ مغربی کنارہ اب ان حملوں کا مرکز بنا ہوا ہے۔ دوسری طرف غزہ پر جو بائیڈن کے آخری سال خون ریز جنگ مسلط کر دی گئی تھی۔

اسرائیل کے الٹرا قوم پرستوں اور سخت گیر حلقوں کی طرف سے ٹرمپ کے فیصلے کا خیر مقدم کیا گیا۔ یہ دوسری بات ہے کہ دنیا بھر سے ان فیصلوں کی شدید مذمت سامنے آئی جب جو بائیڈن حکومت نے یہ پابندی اسرائیل کو دی جانے والی امداد پر لگائی تھی، اس پر اس پابندی کے پہلے سال میں جو بائیڈن انتظامیہ نے جو اقدامات کیے، وہ قابل غور ہیں۔

جو بائیڈن کے صدارتی حکم کو ایک جرأت مند فیصلہ کہا گیا تھا۔ اسے کئی عشروں سے جاری امریکی پابندیاں لگانے کی دھمکی آمیز رویوں کے اسرائیلی تعلق داری میں گم ہوتے رہنے کے زبانی کلامی دعوؤں کے بعد ٹھوس اقدام قرار دیا گیا تھا۔ اسے امریکی خارجہ پالیسی میں اہم شفٹ قرار دیا گیا تھا۔ پہلی بار فلسطینیوں پر آبادکار حملوں کا امریکہ نے نوٹس لیا تھا۔ مغربی کنارے میں عدم استحکام پیدا کرنے کی صہیونی سازشوں کا جواب دیا گیا تھا۔

مغربی کنارے میں آبادکار یہودی عدم استحکام لانے کے لیے فلسطینی آبادیوں پر مسلسل حملے کر رہے تھے۔ انہیں ان کے گھروں سے بے دخل کر رہے تھے۔ ان کے کاروبار تباہ کر رہے تھے۔ ان پر راہ چلتے جان لیوا حملے بھی کرتے تھے۔ بچوں کو بھی نہیں معاف کرتے تھے۔ وہ پہلا موقع تھا جب جو بائیڈن انتظامیہ نے اسرائیل سے اپنے گہرے مراسم اور گٹھ جوڑ کے باوجود اس پابندی کا اقدام اٹھایا تھا۔ خود امریکی حکام یہ کہتے آ رہے تھے کہ مغربی کنارے میں امن میں اصل رکاوٹ آبادکاروں

کے اسرائیلی سرپرستی میں ہونے والے مسلسل حملے ہیں۔ ان حملوں کے جواب میں کہیں بھی فلسطینیوں کے احتجاج کی شنوائی نہیں ہورہی تھی۔ فقط یہ کہہ کر بات ختم کردی جاتی کہ یہ ''بین الاقوامی قانون کی خلاف ورزی ہے۔''

جوبائیڈن انتظامیہ نے اس صورت حال کے خلاف اپنے عزم کا عملی اظہار کیا۔ لیکن اس اظہار کو جلد ہی گہن لگا دیا گیا۔ امریکہ کے اپنے اعلان میں استقامت مفقود ہوتی گئی۔ ایگزیکٹو سطح پر عمل درآمد کمزور پڑتا گیا۔ اس اعلان کو محض اعلان رہنے دیا گیا اور مغربی کنارے کے معاملے میں تشدد نظرانداز کردیا گیا۔ اسے جلد ہی عملی طور پر ختم کردیا گیا۔ اس کی وضاحتیں سامنے آنے لگیں۔

امریکہ میں مالی پابندیوں کے امور کی نگرانی امریکہ کے خزانہ آفس برائے خارجہ اثاثہ جات کنٹرول کے ذمہ ہیں۔ اس آفس نے ایک گائیڈ لائن پر مبنی خط جاری کیا۔ یہ خط بنک آف اسرائیل کو لکھا گیا تھا۔ یہ خط ایسا تھا جس کا تاثر یہ سامنے آیا گویا کہ یہ اسرائیل کے ہی وزیر خارجہ برازیل سموٹریک کے کسی گھوسٹ نے لکھا ہے، امریکی عہدے دار نے نہیں لکھا۔ اگر یہ خط اس گھوسٹ نے بھی نہیں بل کہ اس کے کسی انتہا پسند اہلکار نے لکھا ہو۔

امریکی پابندیوں کے خلاف اٹھنے والے دباؤ کے طوفان بدتمیزی کو بنیاد بنا کر یہ خط ایک گائیڈ لائن کے طور پر لکھا گیا۔ اس لائن میں بتایا گیا (کہا نہیں گیا) کہ جن بنیادوں پر پابندیاں لگائی گئی ہیں، ان کا تعلق مالیاتی بے ضابطگیوں سے ہے۔ امریکہ چاہتا ہے کہ ایسی تزویراتی مبہم پالیسی کو دور کرے جس سے امریکی پابندی کے سخت اثرات مرتب ہونے کا اندیشہ ہے۔ یہ گائیڈ لائن بذات خود ایک بڑا ابہام تھا۔

خط میں کہا گیا کہ ان پابندیوں سے لائیوسٹاک پر اثر نہیں پڑے گا۔ فارم ایڈ اس سے متاثر نہیں ہوگی کیوں کہ ان کا زراعت سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ خود سموٹریک نے اس کی یوں وضاحت کی کہ یہ اسرائیل کی توسیع پسندی کے خلاف ایک بڑا تزویراتی ہتھیار ہے۔

خط میں دعویٰ کیا گیا کہ دراصل امریکہ کی جانب سے لگائی جانے والی پابندیوں سے اصولی مطابقت رکھتا اقدام ہے۔ یہ فوری طور پر کچھ رعائتوں کے ساتھ نافذ کیا گیا ہے جو تنقید کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کا باعث بنے گا۔

واشنگٹن پوسٹ نے یہ لکھ کر مزید ابہار پیدا کردیا کہ پابندی کا یہ فیصلہ کثیر سرمائے سے سرگرم عمل لابی کرنے والی صنعت کو یہ تشفی کرانے کے لیے ہے کہ جوبائیڈن کا فیصلہ کیا ہے اور اس کے اصل اہداف کیا ہیں۔

خط میں کہا گیا کہ یہ پابندی پہلے نمبر پر خلیجی اتحادیوں کو مطمئن کرنے کے لیے ہے۔ انہوں نے اس کے لیے لابی کرنے والے انتہائی مہنگے وکلاء کی خدمات حاصل کیں تھیں۔ (گویا لابی کرنے والے ایسے وکلاء امریکی خارجہ پالیسی کسی بھی حوالے سے تبدیل کراسکتے ہیں)۔ دوسرے اسرائیل کے انتہائی سخت گیر حلقوں کو بھی پیغام دینا تھا جو

ہمہ وقت امریکہ کے اقتدار کے ایوانوں میں نہایت سرگرمی سے کام کرتے رہتے ہیں ان کے لیے پیغام یہ تھا کہ۔۔۔ سب سے پہلے اور آگے آپ۔

اس پالیسی اور اس پر عمل درآمد کے اندر ''غیر جانب داری'' کے بارے میں ایک ادارے کے چیف اکانومسٹ جیمز ایس ہنری نے یوں لکھا کہ داخلی اتحادیوں کا دباؤ، تل ابیب کا خارجی دباؤ دونوں مل کر صدارتی حکم کے اثرات زائل کررہا ہے۔

جوبائیڈن کے اقدام نے ایک واضح پیغام دیا تھا: ''امریکہ کسی صورت میں انتہا پسند اسرائیلی زیادتیوں کو معاشی قوت نہیں دے گا۔''

اس کے برعکس، روائتی پابندیوں کی لابی کرنے والوں کی کوششیں ایک طرف، جن سے زیادہ سے زیادہ یہ ہوسکتا تھا کہ پابندی میں نرمی پیدا ہوجائے، ان پابندیوں سے اثر زائل کرنے پر توجہ دی گئی۔ یہ معاملہ اس طرح سے الگ تھلگ کردیا گیا کہ صدارتی حکم اپنی حیثیت میں برقرار رہے، اس کی زد سے بعض متعین متاثرین کو نکال دیا جائے۔ اس طرح سے پابندی کا حکم اپنے اثرات کے اعتبار سے اندر سے کھوکھلا ہوجائے۔ کوئی بھی حکم، جس کا پابندیوں سے تعلق ہو، ماضی میں اس طرح سے کھوکھلا کردیا جائے اور اسے کھوکھلا کرنے میں صدر امریکہ کا اپنا آفس ملوث ہو اور دوسری طرف پابندی کا ہدف ملوث ہو۔ اس طرح یہ حکم اپنے مقاصد حاصل کرنے میں اپنے اطلاق کے دن سے ہی غیر مؤثر ہوگیا ہو۔

جوبائیڈن انتظامیہ نے صدر سمیت جس انداز سے آنے والے دباؤ کے سامنے گھٹنے ٹیک دیے تھے، اس سے یہ تکلیف دہ مثال قائم کی گئی کہ ایسا کسی بھی معاملے میں مستقبل میں بھی ممکن ہے۔ سوال یہ سامنے آیا کہ امریکی صدر کے عزم کے بارے میں کیا کہا جاسکے گا۔ یہ بجائے خود کسی بھی معاملے میں امریکی پالیسی کی پہلے ہی مرحلے میں عمل درآمد کی فیصلے کی تفہیم کی ناکامی قرار پائے گی۔ اس سے امریکہ کے اقتدار اعلیٰ کی اسی کے اہلکاروں کے ہاتھوں ناکامی لکھی جائے گی۔ دوسری طرف ایسی پابندی سے بظاہر متاثرہ فریق نفاذ سے پہلے ہی شیر ہوجائے گا اور سوچے گا کہ امریکی پالیسی کی ایسی کی تیسی!

اس صورت حال کو تسلیم کرنے والی جوبائیڈن حکومت نے عملی طور پر ثابت کردیا کہ اس پالیسی کو نافذ کرانے والی اس کی اپنی انتظامیہ سے ہشیار اسرائیل کی وہ امریکہ مقیم مشینری ہے جس نے پابندی کو غیر مؤثر کردیا۔ اس طرح مغربی کنارے پر پابندیاں ہوا ہوکر رہ گئیں۔

جوبائیڈن انتظامیہ کی پابندیوں پر عمل درآمد کرانے میں ناکامی نے یہ پیغام بھی دیا کہ امریکہ اپنی بے پناہ اور بھرپور معاشی قوت وصلاحیت کو بروئے کار لانے میں ناکام رہا ہے اور آئندہ بھی ایسا رونما ہوسکتا ہے۔ امریکہ کی صلاحیت تب زیرو ہوجائے گی جب بھی وہ کسی فریق (اس

معاملے میں اسرائیل) کی طرف سے زمین پر قبضہ کرنے کے لیے انسانی حقوق کی بدترین بداعمالیوں پر سزا دینا چاہے گا۔ اگر یہ بداعمالیاں امریکی معیار سے بھی نہایت گری ہوئی ہوں اور ان سے امریکی خارجہ پالیسی کے مقاصد کے حصول میں سخت ناکامی کا خدشہ بھی درپیش ہو۔

اس نوعیت کی رعائیتیں (امریکی پابندیوں کے باوجود صفر پابندیاں اور امریکی سرمائے کی پھر بھی فراہمی) اس اہم موقع کو ضائع کرنے کے مترادف ہیں جن سے اسرائیل کی عشروں سے جاری توسیع پسندی کی پالیسی کی صورت میں جاری عمل کو روکنے کی نفی ہوتی ہو۔

انفرادی آبادکاروں پر مغربی کنارے میں جب امریکہ نے ابتدائی پابندیاں جو بائیڈن دور میں نافذ کرنا شروع کیں اسرائیل کے بنکوں نے ہدف بننے والے اثاثے منجمد کرنا شروع کر دیے تھے۔ یہ ایک ایسا ردعمل تھا جو فیصلہ کن تھا۔ یہ ردعمل بنکوں کی چابک دستی سے اقدام کرنے کا عکاس تھا۔ یہ اس اعتبار سے بہت اہم تھا کہ اس سے امریکی پابندی سے جڑے تمام رسک وابستہ تھے اور اس کی واضح طور پر ایک قانونی پوزیشن تھی۔

اس سے یہ بھی ظاہر ہوا تھا کہ اسرائیل کے بنک اپنے وزیر خزانہ سموٹریک کے سیاسی ایجنڈے سے بالاتر ہو کر کام کرتے ہیں۔ وہ اپنے عمل میں خودمختار ہیں۔ وہ اس بات کو دیکھتے ہیں کہ ان کی پالیسی کو وہ امریکی بنک کس طرح قانونی طور پر دیکھیں گے جن سے وہ کاروبار کر رہے ہیں، اس طرح ان کا امریکی مالیاتی نظام سے تعلق دیرپا اور گہرا ہے، عارضی نہیں ہے۔ اس طرح یہ بھی سامنے کی حقیقت کے طور پر سامنے آیا کہ کسی بھی امریکی پابندی پر عمل درآمد اسی طرح ہوگا جس طرح ہونا چاہیے اور وہ ہر اسرائیلی ادارے اس سے متاثر ہوگا جس کا تعلق پابندی سے زیر عمل آئے گا۔

ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس پالیسی کے ساتھ منسلک افراد اور اداروں کو ٹارگٹ کرنے اور اثرات میں اضافہ کرنے پر توجہ دی جاتی اور آبادکاروں کے تشدد اور مغربی کنارے کی زمین پر قبضہ کرنے والوں کو روکا جاتا، جو بائیڈن حکومت ایسا کچھ بھی کرنے میں ناکام ہوگئی اور بتدریج لیکن مسلسل اثرات زائل کرتی گئی۔

اسرائیل کی آبادکار تحریک کا ایک عملی طور پر متحرک بازو امانہ (Amana) ہے۔ اس کا سربراہ ژی ہیور (Zeev Hever) ہے۔ اس نے بہت پہلے کہہ دیا تھا کہ زمین ہتھیانے میں دو عوامل اہم ہیں۔ اول، زمین حاصل کرنا، دوم فلسطینیوں کو اس زمین سے بے دخل کرنا۔ امانہ کو امریکہ، کینیڈا اور برطانیہ کی حمایت حاصل ہے۔ (گویا کسی بھی فلسطینی یا اس کے خاندان، برادری یا علاقے کو خالی کرایا جاتا ہے تو اسے ان ملکوں کی حمایت سے ہی بے دخل کیا جاتا ہے۔ ان ممالک کے بیانات محض آنسو پونچھتے ہیں، عملاً صفر ہوتے ہیں)۔ جو بائیڈن اقدامات کو ان ممالک کی حمایت شروع سے ہی حاصل ہوتی تھی۔

جو بائیڈن انتظامیہ نے بالکل آغاز سے ہی اپنے اقدامات صفر کر دیے تھے۔ جس دن اس نے امانہ پر پابندیاں لگائیں، اسی دن اس نے امانہ کو ایک لائسنس دے دیا تھا۔ جس سے امانہ کو مہلت دے دی تھی کہ وہ اس پابندی

کے اثرات سے نکلنے کا راستہ طے کر لے۔

ان اقدامات سے امریکی پابندی اپنے پہلے دو ہفتوں تک ہی محدود رہ گئی تھی۔ ٹرمپ حکومت نے اسے آتے ہی ڈی لسٹ کر دیا۔ امانہ ان پابندیوں کے جملہ اثرات سے نکال دی گئی تھی۔ اس کے بعد سب کچھ قصہ کہانی تک محدود کر دیا گیا تھا۔

جو بائیڈن کا پابندیوں کا حکم نامہ، اپنی تمام کمزوریوں کے باوجود، اسرائیل فلسطین تنازعہ پر امریکی پالیسی کو ازسرنو ترتیب دینے کا موقع دیتا تھا۔ اس طرح مغربی کنارے میں اسرائیل کی غیر قانونی آبادکار بستیوں پر نئی پالیسی کی تیاری کا عمل شروع کر رہا تھا۔ جو بائیڈن انتظامیہ اس سے مکمل عمل درآمد میں ناکام رہی تھی۔ ٹرمپ کو غزہ جنگ بندی کرانے کی محض جلدی تھی۔ اس کام میں جو بائیڈن 15 ماہ میں ناکام رہے تھے۔ انہوں نے مغربی کنارے میں ایسے کسی عزم کا اظہار نہیں کیا تھا۔ جو بائیڈن کی پوری کوشش تھی کہ اسرائیل کو ایسی سبز بتی دکھائی جائے جس سے وہ مغربی کنارے کو اپنے اندر ضم کر لے جس میں اسرائیل ناکام رہا۔

امریکہ نے پابندیوں کے معاملے میں منفرد اجارہ داری قائم کر رکھی ہے جس کا تعلق زمین پر تصرف کی بڑھتی کوشش سے ہے۔ دوسری عالمی قوتیں اس معاملے میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ وہ اسرائیل کو اس کے انسانیت سوز اقدامات کے جرم میں اپنے ہاں کی مارکیٹیں اور مالیاتی سہولتیں دینے سے انکار کر سکتی ہیں۔

اسرائیل کو کسی بھی عالمی مالیاتی حوالے سے جواب دہ ہونے سے بچایا جاتا ہے۔ امریکہ کسی بھی اہم اقدام کے اٹھانے میں ناکام رہتا ہے۔ ایسی صورت میں اسرائیل کی طرف سے زیادتیاں بڑھتی جاتی ہیں۔ وہ کہیں بھی رکتا نہیں ہے۔ وہ ایسا نہ صرف فلسطینی زندگیاں چھین کر کرتا ہے بل کہ امریکی مفادات کو بھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اگر آبادکار یہودیوں کے بڑھتے قدم روکے نہیں جاتے، فلسطینیوں سے ان کی ملکیت اور جائیداد چھینی جانے کا سلسلہ جاری رہتا ہے تو امریکہ کی پابندیاں اور عرب ملکوں سے تعلقات کا معاملہ گول ہی رہے گا۔

جو بائیڈن حکومت اپنے حکم نامے پر عمل درآمد میں ناکام رہی ہے۔ اس ظاہر ہوا ہے کہ اس کا پابندیوں کا نظام کس قدر کمزور اور بے اثر ہے۔ ایسا وائٹ ہاؤس کی طرف سے عزم کے نہ ہونے سے ہی ممکن ہے۔

ٹرمپ حکومت نے اپنے پہلے دور کی پالیسی برقرار رکھی ہے۔ وہ مغربی کنارے کو اب بھی نظرانداز کر رہے ہیں۔ اب وہ غزہ کو بھی اہمیت نہیں دے رہے۔ وہ نسلی صفائی کی حوصلہ افزائی کر رہے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اسرائیل ان علاقوں کو اپنے اندر ضم کر لے۔ دیگر ممالک کو چاہیے کہ وہ دباؤ بڑھائیں۔ ہیگ گروپ کا ماضی میں قیام اہم قدم تھا۔ اس کے ذریعہ بین الاقوامی عدالت انصاف اور بین الاقوامی عدالت برائے جرم کے فیصلوں پر عمل درآمد کرایا جانا تھا۔

اب ضرورت ہے کہ اسرائیل فلسطین تنازعہ میں جو عناصر اور عوامل فلسطینیوں کی حمایت میں آگے نہیں بڑھ رہے، وہ اسرائیل کی توسیع پسندی اور فلسطینی سرزمین پر قبضے کے خلاف راست اقدام کریں اور عملی کردار ادا کریں۔

غزہ کو ”ریوریا“ بنانے کے خواہش مند صدر امریکہ کے نام

جناب صدر!

کیا آپ اسرائیل کی قید سے رہائی پانے والے فلسطینی قیدیوں سے ملنا چاہیں گے؟

صدر امریکہ ڈونلڈ ٹرمپ نے ”غزہ میں یرغمال رہنے والے اسرائیلی افراد کے نا قابل برداشت حالات“ کے بارے میں بات کی ہے۔ ان کے اس جاری شدہ بیان تک اسرائیلی جیلوں میں 9500 فلسطینی قیدی قید و بند اور صعوبت کے دن گزار رہے تھے۔ ان کو نا قابل یقین حد تک انتہائی برے حالات میں اسرائیل بھر میں پھیلے 23 حراستی مراکز میں قید رکھا گیا تھا۔ ان مراکز میں ان قیدیوں کو کسی بھی نوعیت کے بنیادی حقوق، افراد خانہ سے ملاقاتوں سے یکسر محروم رکھا گیا ہے۔ انہیں مختلف نوعیت کے نفسیاتی اور جسمانی تشدد کا بھی مسلسل سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

ان قیدیوں میں سے 5 ہزار مختلف طرح کی بیماریوں میں مبتلا ہیں۔ انہیں کسی بھی طرح کی بنیادی صحت کی سہولتوں سے محروم رکھا جا رہا ہے۔ ان میں بھی 21 خواتین، 365 سے زیادہ بچوں اور 726 افراد کو گرفتاری میں 20 برس گزر چکے یا گزر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ عمر قید کاٹ نے والے مزید 461 مرد و زندان خوفناک مراکز میں موجود ہیں۔ اسرائیل کے نظر بندی قانون کے تحت ”نظر بند فلسطینیوں“ کی تعداد 3,405 ہے۔ ان کے مقدمات کسی بھی عدالت میں چلائے ہی نہیں جا رہے ہیں۔ ان پر کسی نوعیت کا کوئی الزام بھی نہیں ہے۔

خراب ترین حالات میں پکڑے گئے مذکورہ نظر بند فلسطینیوں میں سے 1967ء سے اب تک 298 موت سے ہم کنار ہو چکے ہیں۔ ان کی اموات بدترین تشدد اور طبی سہولت کے دستیاب نہ ہونے کے اسباب سے ہوئی ہے۔ غزہ پر مسلط جنگ سے گرفتار کیے گئے فلسطینیوں میں 62 اپنی زندگیوں سے پر اسرار حالات میں ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔ اس عرصے میں فلسطینی نظر بند انتہائی ناگفتہ بہ کیفیت سے دوچار ہیں۔

جناب صدر!

اسرائیلی حکام ان جیلوں اور حراستی مراکز میں سنگین صورت حالات میں شہید ہونے والے فلسطینیوں کی میتیں اور باقیات دینے سے بھی انکار کر رہی ہے۔ ان شہداء کی معلوم تعداد 665 تک جا پہنچی ہے۔ ان کو مختلف قبروں اور سرد خانوں میں رکھا گیا ہے۔ ان میں وہ افراد بھی شامل ہیں جن کو 1960ء کے عشرے سے قید کیا گیا تھا۔ ان میں اب تک 59 بچوں کی باقیات بھی شامل ہیں۔ ان کی عمریں 18 سال سے کم تھیں۔ ان کے علاوہ 9 خواتین بھی ہیں۔

غزہ میں منظم قتل عام کے آغاز (اکتوبر 2023ء) سے اب تک شہید کیے جانے اور پھر اسرائیل منتقل کیے جانے والے فلسطینیوں کی درست اور مصدقہ تعداد کا علم ہی نہیں ہے۔ عبرانی ذرائع ابلاغ کی رپورٹوں کے مطابق یہ تعداد 1500 سے زیادہ ہے۔ ان کو فلسطین کے مقبوضہ علاقے واقع جنوب کے کنسٹریشن کیمپ ”سدی تیمان“ میں رکھا گیا ہے۔

ہم آپ کو دعوت دیتے ہیں کہ آپ نے اسرائیلی یرغمالیوں سے جس تعلق خاطر سے بات کی ہے، اسی طرح آپ فلسطینی سیاسی قیدیوں کے لیے بھی ظاہر کریں۔ انہیں بھی عزت دیں، ان کی کہانیاں سننے کے لیے، ان کے اعزا و اقربا سے ملاقات کا وقت نکالیں۔

ڈاکٹر باسم نعیم

رکن حماس پولیٹیکس بیورو

غزہ: فلسطین

7۔ رمضان المبارک 1446ھ

7۔ مارچ 2025ء

تجزیہ: مرزا محمد الیاس

مقبوضہ مغربی کنارے کی امریکہ و کینیڈا میں فروخت

مقبوضہ مغربی کنارے میں تشدد کی نئی لہر اسرائیل اور امریکہ کی سرپرستی میں پیدا کی جارہی ہے۔ اس لہر کے پیدا کرنے میں بہ ظاہر وہ کمپنیاں ملوث ہیں جو فلسطینی سرزمین کی نیلامی امریکہ میں کررہی ہیں۔ اس کے خلاف فلسطین کی حامی بعض تنظیموں اور اداروں نے نیویارک سٹی میں بوروآف بروکلین (Borough of Broklyn) کے سامنے احتجاج کیا ہے۔ اس کا اہتمام فلسطینی اسمبلی برائے آزادی العودہ نے کیا تھا۔ اس احتجاج کی فوری وجہ یہ بنی کہ بعض صہیونی رئیل اسٹیٹ کمپنیوں نے مقبوضہ فلسطین کی ہتھیائی گئی سرزمین کی نیلامی کے اشتہارات شائع کرنے شروع کیے تھے۔

ان کمپنیوں نے پال۔عودہ (Palestine Awda) کے مطابق مقبوضہ بیت المقدس، بالخصوص مغربی کنارے کے بعض حصوں میں نیلامی شروع کی تھی۔ اس اقدام کے خلاف جب وہاں فلسطینیوں نے پال عودہ کے تحت احتجاج شروع کیا تو اسے متشدد بنا دیا گیا۔ یہودی آبادکاروں نے احتجاج پر حملے شروع کردیے۔ ان حملوں میں انتہائی دائیں بازو کے صہیونی گروپس شامل تھے جو فلسطینی احتجاج کے متوازی احتجاج کرنے لگے تھے تاکہ فلسطینی احتجاج کو غیر مؤثر کیا جائے۔

اس متوازی احتجاج کرنے والوں میں بطار یو ایس اے بھی پیش پیش رہی۔ یہ تنظیم امریکہ میں صہیونیت کے نوجوان ونگ کو چلاتی ہے۔ یہ انتہائی دائیں بازو سے تعلق رکھتی ہے جہاں بھی فلسطینی تنظیم پال عودہ- (PAL AWDA) احتجاج کرتی ہے، یہ بھی پال عودہ کے مقابلے میں سینکڑوں نوجوان صہیونیوں کو امریکہ بھر سے جمع کرتی ہے۔ پال عودہ کے احتجاج کا مقصد امریکہ میں فلسطینی زمین کی غیرقانونی نیلامی اور فروخت کو روکنا تھا۔

پال عودہ کے ترجمان نے صہیونی متوازی احتجاج کے احوال بیان کرتے ہوئے بتایا کہ اس میں شامل صہیونی متشدد نوجوان ہم پر تھوکتے رہے، ہمیں ٹھڈے مارتے، خوف زدہ کرتے، جسمانی تشدد کا نشانہ بناتے رہے ان کے ارکان ہمیں مکے مارتے رہے۔ ایک صہیونی نے قرآن پاک کو آگ لگادی جب کہ ایک اور صہیونی قرآن کے ساتھ ہتک آمیز پوز بناتا رہا۔ دوسرے مسلمانوں کی نماز کے لیے دی جانے والی اذان کا کھلے عام تمسخر اڑاتے رہے۔

پال عودہ کے ترجمان نے مزید بتایا کہ فلسطینی احتجاج میں

شامل افراد کو اسرائیل کے حامی مظاہرین دھمکاتے رہے، ان پر باقاعدہ حملہ کرتے رہے۔ ان کے اس تشدد کی وجہ سے دو فلسطینی نوجوانوں کو ہسپتال داخل کرانا پڑا۔

میڈیا رپورٹس کے مطابق یہودی احتجاج میں شامل افراد نے جیوش ڈیفنس لیگ کے جھنڈے اٹھائے ہوئے تھے۔ اس تنظیم کو امریکہ میں دہشت گرد قرار دیا گیا ہے۔ اسرائیل میں بھی اسے دہشت گرد کہا جاتا ہے۔ کئی ممالک میں اس کی سرگرمیوں پر پابندی لگائی گئی ہے۔

بطار کے متعدد ارکان نے اسرائیل اور امریکہ کے بھی جھنڈے اٹھا رکھے تھے۔ وہ مختلف طرح کے سائن بنا رہے تھے جن سے مراد تھی:

Bring Them Home۔ اس سے مراد یہ تھی کہ غزہ میں یرغمال اسرائیلی واپس لائے جائیں۔ وہ نعرے لگا رہے تھے جن سے مراد تھی: زندہ باد اسرائیل۔ اسرائیلی اخبار ہاٹز نے اسے رپورٹ بھی کیا۔

احتجاج میں شدت آنے کے ساتھ قریبی علاقوں کے یہودی اور صہیونی بطار کے احتجاج میں شامل ہوتے گئے، وہ اسرائیل کے حق میں نعرے لگاتے رہے۔

دوسری طرف مقامی پولیس فلسطینیوں کے خلاف سرگرم عمل رہی۔ احتجاج کرنے والے ایک فلسطینی کو گرفتار کر لیا گیا۔ یہ 42 سالہ فلسطینی بروکلین کا رہنے والا تھا۔ اس پر الزام لگایا گیا کہ اس نے ایک 61 سالہ اسرائیلی حامی کو مکہ مارا ہے۔

اسرائیل کے حامی اخبارات نے رپورٹ دی کہ ایک فلسطینی نے ایک یہودی کو خنجر گھونپنے کی کوشش کی۔ پال عودہ کا کہنا ہے کہ ایسا واقعہ نہیں ہوا اور اسے رونما ہونے سے پہلے ہی روک دیا گیا تھا۔

ایک اور رئیل سٹیٹ ایکسپو گیٹار (Getter) نامی کمپنی نے منظم کی تھی۔ یہ ایک اسرائیلی کمپنی ہے جو بورو پارک میں بزنس کرتی ہے۔ یہ بروکلین کا علاقہ ہے۔ اس کمپنی نے پہلے اپنی ویب سائٹ پر ایکسپو کا اعلان کیا۔ اسے ''اسرائیل رئیل سٹیٹ پرو'' کا نام دیا۔ کمپنی نے اعلان کیا کہ اس کے پاس مغربی کنارے میں بعض حصوں میں پلاٹ برائے فروخت موجود ہیں۔ اس نے کہا کہ یہودی بستیوں میں بعض خالی اپارٹمنٹس بھی برائے فروخت دستیاب ہیں۔ بین الاقوامی قانون کے تحت یہ سارا کاروبار غیر قانونی ہے۔

پال عودہ کا کہنا ہے کہ مغربی کنارے میں یہ سارا کاروبار غیر قانونی ہے۔ اس کی اجازت ریاستی، وفاقی یا بین الاقوامی قانون بھی نہیں دیتا۔ یہ بات ابھی واضح نہیں ہو سکی کہ اس طرح سے فلسطینی سرزمین کی خرید و فروخت کسی بھی اعتبار سے ممکن بھی ہے یا نہیں۔

سوشل میڈیا بطار کی سرگرمیوں پر احتجاج کر رہا ہے۔ بطار ان سرگرمیوں میں تشدد کا عنصر شامل کرتا ہے۔ وہ فلسطینی مظاہرین پر تشدد کرتا ہے۔ پھر اس تشدد کے سکرین شاٹس لے کر (X) پر پوسٹ کرتا ہے۔ 19 فروری کو بھی بطار نے تشدد کیا۔ گروپ نے کھلے عام مزید حملوں کا اعلان کیا۔

19 فروری کے بعد سوموار کے دن پال عودہ نے اعلان کیا کہ وہ بروکلین ایونٹ ایکسپو کے باہر احتجاج کریں گے۔ بطار نے انسٹاگرام پر لکھا کہ وہ متوازی احتجاج کریں گے۔ گروپ کے ترجمان نے کہا کہ ان کا سیکیورٹی حکام، مقامی ذمہ داران اور بہت سے دیگر گروپس سے مکمل رابطہ ہے۔ امریکی رکن کانگریس رچی توریس نے پلیٹ فارم ایکس پر کہا کہ فلسطینی احتجاج پر جو تشدد ہوا ہے، اس کی ذمہ داری فلسطینی گروپوں پر عاید ہوتی ہے۔ یہ گروپس حماس سے خود کو الگ کرنے پر تیار نہیں ہیں۔

رچی توریس کے ان خیالات کی پلیٹ فارم ایکس اور انسٹاگرام پر مذمت کی گئی۔ ان خیالات کو بھی متشدد قرار دیا گیا۔ امریکہ اور کینیڈا کی متعدد کمیونٹی تنظیمات نے فلسطینی سرزمین کی اس طرح فروخت اور نیلامی کی مذمت کی ہے۔

یاد رہے کہ گٹار گروپ کی جانب سے اس نوعیت کی متعدد ایکسپوز کی گئی ہیں۔ مزید بھی کئی ایونٹس کا اعلان کیا گیا ہے۔ ان ایونٹس کی سرپرستی اسرائیلی حکومت کرتی ہے۔ اس کے وزیر خزانہ برازیل سموٹریک ان سرگرمیوں کی نگرانی کرتے ہیں۔ وہ پورے مقبوضہ فلسطین میں اس سلسلے کو پھیلانا چاہتے ہیں۔ یہ عمل بین الاقوامی قانون کی پامالی ہے۔

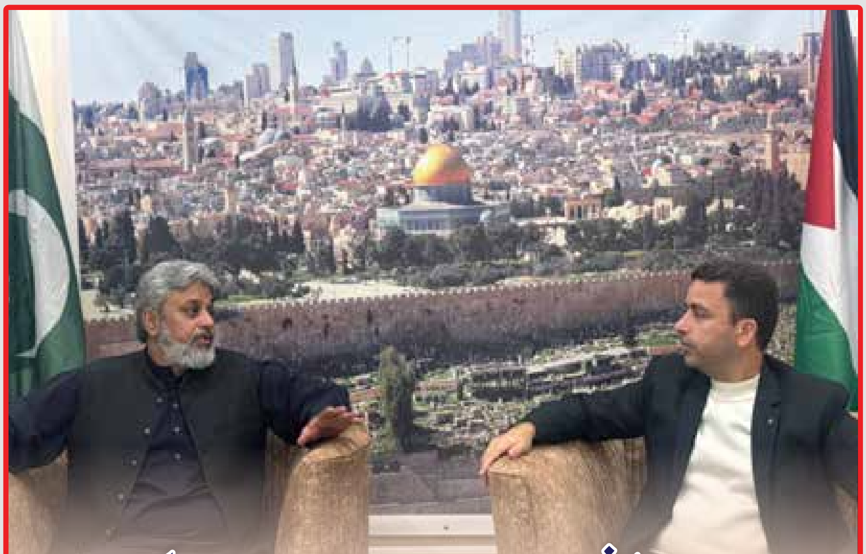

سنی اتحاد کونسل کے سربراہ صاحبزادہ حامد رضا کی فرینڈز آف فلسطین کے دفتر آمد

ڈائریکٹر جنرل فرینڈز آف فلسطین نے صاحبزادہ حامد رضا کا استقبال کیا، ملاقات میں فلسطین کی موجودہ صورتحال سے آگاہ کیا۔ پاکستان تحریک انصاف اور سنی اتحاد کونسل کی کاوشوں کو سراہا اور امید ظاہر کی کہ فلسطین کاز کے لیے تعاون کا سلسلہ جاری رہے گا۔ حامد رضا صاحب نے کہا کہ وہ اور عمران خان کی قیادت میں تحریکِ انصاف آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کے لیے آواز بلند کرتے رہیں گے۔ انکا کہنا تھا کہ تمام اختلافات کے باوجود فلسطین واحد معاملہ ہے جہاں پاکستان میں کسی سیاسی جماعت اور کسی ادارے کا آپسی اختلاف نہیں ہے۔ انکا مزید کہنا تھا کہ مسجد اقصیٰ فلسطینیوں کا قبلہ نہیں بلکہ تمام مسلمانوں کا قبلہ اول ہے اور اسکی حفاظت محض فلسطینی عوام کی نہیں بلکہ ہماری اجتماعی ذمہ داری ہے۔ ہم فلسطین اور مسجد اقصیٰ کے لیے اپنی کاوشوں میں بہتری لائیں گے۔

قرطاس ابیض: فرینڈز آف فلسطین

می گویم: مسئلہ فلسطین کا دو ریاستی حل!

دو ریاستی حل؛ فلسطین پر مستقل قبضے کا نام ہے؛ فلسطینی ریاست کے قیام کا نام نہیں۔ فلسطینی بٹوارے اور اسرائیل کے فلسطینی سرزمین پر مستقل قبضے کا نام ہے۔اس لیے قبول نہیں کیا جا سکتا۔ اس کتے کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ جب کوئی ملک سرکاری پالیسی میں یہ مؤقف اختیار کرے کہ وہ دو ریاستی حل کی حمایت کرتا ہے تو وہ اسرائیل کو تسلیم کرنے کی جانب جھکاؤ رکھتا ہے، فلسطین کی سرزمین پر فلسطین کے قیام کا حامی نہیں ہے۔

قبول نہ کرنے کی وجوہ فلسطینی ریاست کے بٹوارے کی تقسیم سے زیادہ غلیظ ہیں۔اندوہناک امر یہ ہے کہ یہودی گروہوں کو ادھر ادھر سے ہانک پکار کر فلسطین پر قبضے کے لیے لایا گیا۔ فلسطین پر قبضے کی اس سازش کو آگے بڑھانے کے لیے نہ صرف یہ کہ خود برطانوی فوج نے فلسطین اور فلسطینیوں کو توپ وتفنگ کے نشانے پر رکھا بلکہ یہودی 'نان اسٹیٹ ایکٹرز' کو فلسطینیوں کے خلاف دہشت گردی کرنے میں مدد دینے کے لیے ایک سہولت کار اور سرپرست کا کردار ادا کیا۔

تاریخ انسانی کی یہ انوکھی اور قومی ڈکیتی ہے جو 75 برس قبل ڈالی گئی۔ اس ڈکیتی کے کردار آج کی سب سپر طاقتیں ہیں۔فرق صرف یہ ہے کہ سب کا سوویت یونین آج کا روس ہے۔آپ اسے سوویت یونین سے پہلے کا زار روس کہہ سکتے ہیں۔ ایک محدود اقلیت (یہودی) کو فلسطین میں حکمران بنانے کے لیے ان طاقتوں نے لیگ آف نیشنز کے عنوان سے بساط بچھائی۔ ایک مخصوص مینڈیٹ تب کی قوت برطانیہ کو مشرق وسطیٰ میں دیا گیا۔ تب کے عرب شیوخ اس کھیل کا حصہ بنے۔صہیونیت کی تحریک کو بڑھایا گیا۔ فلسطین پر یہودی قابض کرائے گئے۔ ان کا صہیونی کردار تسلیم کیا گیا اور 15 مئی 1948 کو اسرائیل وجود میں لایا گیا۔

آبادی

سال	عرب	شرح فیصد	یہودی	شرح فیصد
1918	600,000	91.6	55,000	8.4
1948	1,390,000	68.3	646,000	31.7

رقبہ زمین

1918	-	98	ـ	2
1948	-	94	ـ	6

بہت آسانی سے دیکھا جا سکتا ہے کہ 8.4 فیصد آبادی کو

دنیا بھر سے یہودی لا کر 31.7 فیصد بنایا گیا۔ اس کے باوجود اقلیت ہی رہی۔ جب کہ 68.3 فیصد کی فلسطینی اکثریت کو ان تمام کرداروں نے قوت کے بل پر غلام بنایا باوصف اس کے کہ وہ اکثریت تھی۔ اس کی آبادی 91.6 فیصد اور سرزمین 98 فیصد تھی۔ غلام بنائے جانے کے بعد بھی اس کی زمین 94 فیصد تھی۔ 1993ء میں ایک بڑے یہودی دانش ور ران ڈیوڈ نے کتاب لکھی: (Arab & Israel: for Beginners)۔ انہوں نے صفحہ 210 پر لکھا:

’’یہی صحیح وقت ہے کہ امریکہ کے چند نمایاں اور محترم یہودی‘‘ جن سے خود میں نے بہت کچھ سیکھا ہے، وہ جرأت سے کام لیں اور عوام کو بتائیں کہ ہم اب تک دنیا سے کیا جھوٹ بولتے رہے ہیں۔ یہ جھوٹ وہ ہے جو خود ہم اپنے آپ سے بھی بولتے رہے ہیں۔ ہم نے فلسطین چوری کیا ہے۔ ہم اسے چوری کیا ہے۔ (گویا ہم چور ہیں، قومی چور)۔ اگر ہم فلسطینی قوم کو خود مختاری ہی دے دیں یا استصواب رائے کا حق ہی دے دیں۔ انہیں مغربی کنارہ دے دیں، فلسطینی ریاست ہی دے دیں، پھر بھی ہم ان کے ملک کے بہت بڑا حصہ چوری کرنے کے مجرم ہی رہیں گے۔ آیئے کم از کم سچ بولنے سے آغاز ہی کر دیں۔‘‘

برطانیہ اور بالفور ڈیکلریشن:

اگر اس کو اعلان بالفور کے تناظر میں دیکھا جائے تو فلسطینی سرزمین پر دہشت گردی کا ماسٹر مائنڈ برطانیہ نظر آتا ہے اور بعد ازاں جیسے جیسے یہ منصوبہ آگے بڑھتا گیا دوسرے ماسٹر مائنڈ اور سہولت کار بھی بے نقاب ہوتے گئے۔ امریکہ نے بہ تدریج اس کردار میں مسابقت حاصل کی۔ اب سارے فلسطین مخالف منصوبے کا سرپرست اعلیٰ ہے، دیگر اس کے اس کردار کے حامی ہیں۔

دو دہائیوں سے زیادہ پر پھیلی اس مسلسل دہشت گردی کے نتیجے میں 15 مئی 1948ء کو بالآخر یوم ’’نکبہ‘‘ آ گیا اور اس میں سفارتی اور بین الاقوامی سطح پر سند جواز دینے کا کام اقوام متحدہ سے لیا گیا جبکہ اس سارے دہشت گردانہ قبضے کے منصوبے کا عمل ’لیگ آف نیشنز‘ کے ذریعے سے ممکن بنایا گیا۔ اسرائیل کو ’’ایک اور ریاست‘‘ کے کردار میں سامنے لایا گیا۔ بعد ازاں ’’ایک ہی ریاست‘‘ پر منصوبے کو آگے بڑھا کر فلسطین اور فلسطینی کا خاتمہ پالیسی بنایا گیا۔

پہلی جنگ عظیم کے بعد پہلے اہل یورپ نے خوب محسوس کر لیا تھا کہ یورپ میں یہودی گروہ سے نجات کا نازی طریقہ بہت سارے مضمرات کا حامل ہوسکتا ہے۔ اس لیے محفوظ ترین راستہ یہ ہے کہ انہیں یورپ سے نکالا جائے اور عربوں کی فلسطینی سرزمین پر آباد کر دیا جائے۔ گویا ایک پنتھ، دو کاج کا مقصد حاصل کر لیا جائے۔ آگے چل کر تیل کے ڈالروں نے اس ضرورت کو ایک اور رخ دے دیا۔ اب ایک طرف دنیا بھر سے یہودی گروہ سے نجات اور تیل کے ڈالروں پر اجارہ داری کا ایجنڈا پر کار جاری ہے۔ گزشتہ صدی (20ویں صدی) کے آغاز سے یہ کام زیادہ تیزی سے آگے بڑھا کیوں کہ خلافت عثمانیہ اندرونی و بیرونی عوامل کی وجہ سے اپنے آخری ایام میں اس حالت کو پہنچ چکی تھی کہ یورپ اور امریکہ اس کو گرانے کے عمل میں سے اپنے لیے مواقع بنا لیتے اور یہ کام بڑی چابکدستی سے کیا گیا۔

نئی عرب بادشاہتوں کی تخلیق کے زمانے میں یہ یورپ کا ایک ایسا منصوبہ لگتا تھا کہ خلافت عثمانیہ کے خاتمے سے ترکیہ سے آزاد ہو جانے والے عرب اپنی اپنی قبائلی شناخت کے نشے میں یہ یہودی قبضہ بڑی آسانی سے اور بغیر کسی بڑی مزاحمت کے قبول کر لیں گے۔ عرب اصل کھیل کا حصہ بنتے گئے اور الگ الگ ریاستوں کے خمار نے ان کو خلافت عثمانیہ کے خاتمہ کے پلان کا کردار بنا دیا۔ اعلان بالفور سے پہلے اور بعد ازاں کئی عرب ریاستوں کی تخلیق یورپی لیبر رومز کی محتاج تھی۔ اس لیے بالکل خطرہ نہیں تھا کہ اسے عرب ریاستوں کی طرف سے کوئی مسئلہ ہوگا۔ لہذا جہاں کئی عرب ریاستیں مغربی اقوام کی ضرورت کے لیے تخلیق کی جا رہی تھیں وہاں ایک اسرائیلی ریاست کو امریکہ اور یورپی طاقتوں نے اپنی سٹراٹیجی کی ضرورتوں کے لیے تخلیق کر لیا۔

اس سازش کو عملی روپ دینے کے لیے اعلان بالفور اور کچھ اعلانات، اقدامات سامنے لائے گئے۔ ’لیگ آف نیشن‘ کی ایک مطلوب و مشروط اور عارضی تخلیق بھی اس بڑی سٹریٹیجک ضرورت کے تحت لازم سمجھی گئی۔ جب یہ مقصد پوری طرح حاصل کر لیا گیا تو ’لیگ آف نیشنز‘ کو لپیٹ کر اس کی بساط پر اسرائیل بچھا دیا گیا جب کہ فلسطین لپیٹ دیا گیا۔ اب فلسطینی رہ گیا تھا، اسے لپیٹا جا رہا ہے۔ فلسطینی اس کھیل کو لپیٹ دینا چاہتا ہے۔ اب اسے ختم کیا جا رہا ہے۔

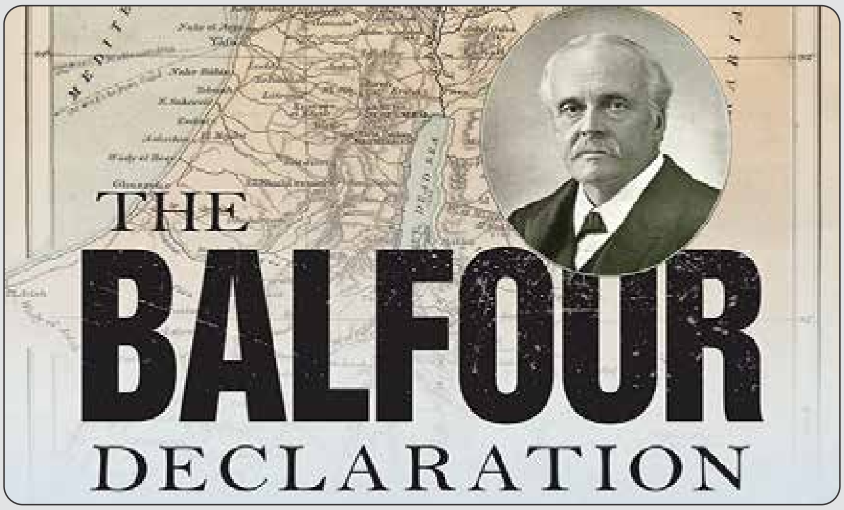

یورپ اور امریکہ جن کے آج 100 سال بعد باہم چھٹنے کے اشارے مل رہے ہیں، پچھلی صدی سے ایک دوسرے کے پوری طرح سہولت کار تھے۔

تہذیبی تصادم اور مسجد اقصیٰ:

احتیاطی تدبیر یہ اختیار کی گئی کہ یورپ کے کسی ملک یا امریکہ نے ساری ذمہ داری براہ راست اپنے اوپر لینے سے گریز کی کوشش کی اور اسرائیلی تخلیق کے اس گناہ کو اجتماعی شناخت دینے کے لیے ’لیگ آف نیشنز‘ کے پلیٹ فارم کو تشکیل دے دیا گیا۔ بظاہر ’لیگ آف نیشن‘ کے قیام کا مشرق وسطیٰ یا فلسطینیوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ یوں فلسطین پر یہودی قبضے سے قدیم صلیبی جنگوں کے جذبہ محرکہ اور تہذیبی تصادم کے نئے مرحلے میں مسجد اقصیٰ کا خاتمہ، مسلمانوں کی مسجد اقصیٰ اور بیت المقدس سے جڑی تاریخ کو مٹانے کا راستہ بھی بغیر کسی اعلان کے ہی طے کرنا ممکن تھا۔ یہودی اور اسرائیلی کردار اس تاریخ کے سفر اور تہذیبی سچائی کا راستہ روکنے کی حکمت عملی ہے۔

نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سفر معراج نے تقریباً

ایک لاکھ 24 ہزار انبیاء علیہ السلام پر فضیلت دی تھی۔ مسجد اقصیٰ کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور مسجد اقصیٰ میں نبی پاک حضرت محمد صلی اللہ علیہ والہ وسلم امام الانبیا کہلائے تھے یہ اس مسجد اقصیٰ اور سرزمین بیت المقدس پر یورپی، امریکی اور صیہونی قوتوں کا ایک مشترکہ وار اپنے آخری اور حتمی انجام کی جانب بڑھ رہا ہے۔ ناکامی سے بچنے کے لیے صہیونیت کی صورت میں یہ وار اب پوری قوت سے کیا جا رہا ہے۔ گزشتہ صدی کے آغاز و انجام پر صہیونیت اور صلیب دونوں خوف کے بت میں پناہ لے رہے ہیں۔ ہلال اس کو موقع بنانے کی صلاحیت سے محروم ہوتا دکھائی دے رہا ہے جب کہ وہ اس کا بھرپور جواب دینے کی اہلیت سے عاری نہیں ہے۔

مسلمانوں کے نبیؐ سے دشمنی، انسانوں کے آخری نبیؐ کی فضیلت سے عناد اور بغض، اس سازش کا ایک پس پردہ پہلو یہ بھی تھا کہ مسجد اقصیٰ سے جڑا واقعہ معراج مسلمانوں کی فضیلت اور عظمت کے راستہ کو مستند کرتا ہے۔ اس لیے ایسی علامات کو ملیا میٹ کرنے کے امکانات پیدا کرنا اسلام اور مسلمان دشمنی کے لیے ضروری تھا۔

معاشی و سیاسی بالادستی کا خواب:

رہی معاشی و سیاسی بالادستی کے خواب تیل کی دولت سے پورے کرنا تو یہ بھی بلاشبہ اس سازش کا اہم ہدف تھا اور ہے۔ البتہ یہ سب جانتے ہیں کہ بحر متوسط، بحیرہ روم، بحیرہ احمر اور بحیرہ عرب ان سب کی سٹریٹیجک اہمیت یورپ اور امریکہ کے لیے غیر معمولی ہے۔ اس لیے ان میں سے کسی ایک کے کنارے میں خالص اپنی نمائندہ ریاست کا وجود میں آنا کتنا اہم ہوسکتا تھا۔ براعظم آسٹریلیا اور یورپ کے درمیان راستہ بھی اسی بحیرہ روم سے ممکن ہے۔ اس لیے مسئلہ فلسطین کا دو ریاستی حل پیش کر کے خود اپنے لیے صلح جو ہونے کا ٹائٹل پانے کے لیے فلسطین کا ایک بڑا اور پیچیدہ مسئلہ پیدا کیا گیا جو کہ صرف یہودی قبضے کی صورت ہی ہو سکتا تھا۔ بہرحال یہ بحر متوسط سے بحیرہ احمر و بحیرہ عرب کے سمندری راستوں پر غلبے اور تسلط کا بھی ایک خواب تھا اور ایک خواب ہی ہے۔

بلاشبہ 'غزہ ریویرا' کا ٹرمپ منصوبہ بھی اس تناظر سے الگ نہیں ہے کہ سارا بزنس تو دبئی لے گیا۔ سعودی عرب نے نئے شہروں کو خالصتاً کاروباری ضرورتوں کے ساتھ قائم کرنے کے منصوبے شروع کر دیے تو کیوں نہ 'غزہ ریویرا' کے نام سے دبئی اور مستقبل کے سعودی شہر 'نیوم' کا ابھی سے توڑ بھی کرنے کی تیاری کی جائے۔

لیگ آف نیشنز کا کردار:

لیگ آف نیشنز بظاہر جنگ عظیم اول کے بعد امن سے رہنے کا سبق تھا۔ یہ بظاہر تھا مگر قابل غور پہلو یہ ہے کہ 'لیگ آف نیشنز' کا قیام عمل میں لاتے ہوئے لفظ 'نیشن' کی کوئی واضح تعریف ارباب مغرب کے شعوری گریز کی زد میں رہی۔ تا کہ جسے چاہیں، جب چاہیں 'نیشن' کا درجہ دے دیں اور جب چاہیں اس درجہ سے محروم کر دیں۔

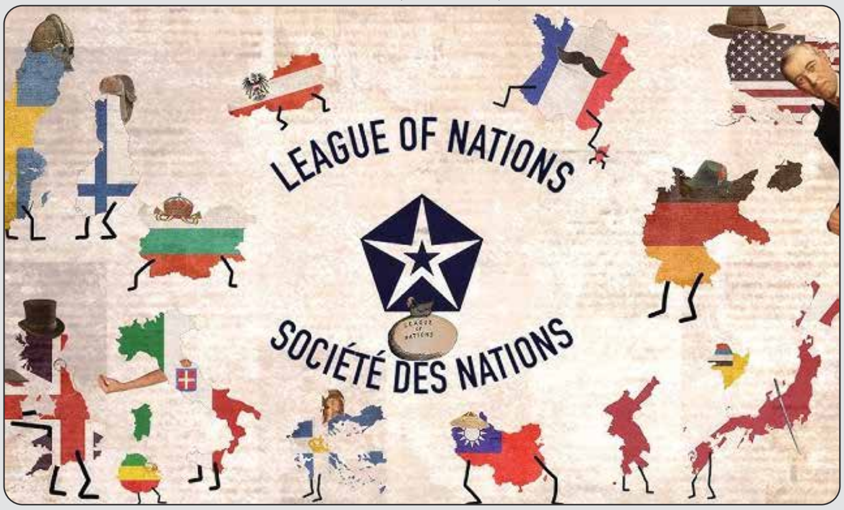

تعریف کا یہ خلا 'لیگ آف نیشنز' کے خاتمے کے بعد اقوام متحدہ کے 80 سال گزرنے کے بعد اب تک موجود رکھا گیا ہے۔ اقوام متحدہ کی اس سے زیادہ کوئی افادیت ہرگز نہیں ہے۔

محض حوالے کے لیے عرض ہے کہ بنیاد پرست، انتہا پرست، دہشت گرد وغیرہ کے الفاظ پر غور کیا جائے تو ہزاروں لاکھوں افراد کی ان اصطلاحات کی آڑ میں جان لی جا چکی ہے مگر آج تک ان کی کوئی واضح تعریف کسی مستند بین الاقوامی فورم سے سامنے نہیں آ سکی۔ یہ پولیس کے روایتی ایف آئی آر اوپن رکھنے کا معاملہ ہے کہ جب چاہیں جو چاہیں اس میں کسی کو بھی ڈالتے جائیں۔

اس معاملے کو 'عرب لیگ' اور 'او آئی سی' بھی اپنے فورمز سے اٹھا نہیں سکیں۔ یقینا اس کے لیے ضروری تھا کہ پہلے کوئی خود اٹھے پھر یہ معاملے اٹھائے۔ بس 'لیگ آف نیشنز' کو جو بڑا کریڈٹ جاتا ہے وہ عرب نیشنز کو بکھیرنے اور فلسطینی نیشن کو بے سرزمین کرنے کے عمل کے وقت موجود رہنا ہے۔

'لیگ آف نیشنز' کے قیام کے تھوڑے ہی عرصے میں ایک بڑی پیشرفت ہوئی کہ اس نے فلسطین کو برطانوی مینڈیٹ میں دے دیا۔ گویا برطانیہ کے فلسطین کے بارے میں اقدامات کو جواز اور سند دے دی۔

'لیگ آف نیشنز' کے ممبران کے سلسلے میں ایک اور ڈنڈی ماری گئی کہ اس کا رکن ان ملکوں کو بنانا تھا جو پہلی جنگ عظیم کے دوران مغربی اتحادیوں اور امریکہ کے ساتھ کھڑے تھے یا امریکہ اور یورپ کی اصطلاح کے مطابق غیر جانبدار رہے تھے۔

صاف ظاہر ہے، ملکوں اور اقوام کا نام لیا جا رہا ہے۔ مگر ستر اسی سال سے چلی آ رہی باقاعدہ برطانوی نو آبادیاتی انڈیا کو 'لیگ آف نیشنز' کی رکنیت دیدی گئی۔ مگر چند برس سے برطانوی مینڈیٹ کے تابع ہوئے فلسطین کو تب بھی 'لیگ آف نیشنز' نے اپنی رکنیت دینے کے بجائے اس کی زمین چھیننے کے عمل کو تیز کر دیا تھا۔ یہ شاید اسی امر کا اشارہ تھا کہ فلسطین اور مسجد اقصیٰ کے مکمل خاتمے کو امریکہ و یورپ نے اپنے ذہنوں میں طے کر رکھا ہے لیکن محض اشک شوئی کے لیے ایک خاص وقت تک دو ریاستی حل کی آڑ لی جائے گی۔

گویا اصل ایشو فلسطین اور مسجد اقصیٰ کی شناخت کا خاتمہ ہے۔ اب اس کے لیے تجاویز و اقدامات کے حوالے سے کی جانے والی کوششیں درحقیقت اسی پرانی مغربی سوچ کی عکاس ہے کہ فلسطین نہیں اسرائیل مطلوب ہے۔ مسلمانوں کی نہیں یہودیوں کی آبادی چاہیے۔ مسجد اقصیٰ نہیں ہیکل سلیمانی چاہیے۔

قضیہ فلسطین اور بانیان پاکستان:

یہ وہ زمانہ ہے جب ادھر برصغیر میں ملت اسلامیہ ایک نئی کروٹ لے رہی تھی۔ جبر کا ایک دور بھگت لیا تھا۔ تعلیم و تمدن پر مغربی حملے بھی ہو چکے تھے۔ فکری، مذہبی، معاشی،

سیاسی اور سماجی تصورات میں مغربی پیوندکاری کا کافی کام ہو چکا تھا۔

مگر ایک کام بہت مثبت ہوا کہ جہاندیدہ اکابرین کی ایک تعداد جمع تھی جو فرنگی چابک دستی اور طریقہ واردات کو سمجھ سکتی تھی۔ اس لیے نہ صرف برصغیر کے مسلمانوں کی آزادی کی بات ہونے لگی بلکہ خلافت عثمانیہ کے خلاف استعماری سازش اور فلسطین سے متعلق عزائم مذمومہ کو بھی سمجھنے لگے۔

اسی زمانے میں بانی پاکستان قائداعظم محمد علی جناح اور حکیم الامت علامہ اقبال کے خیالات فلسطین کے خلاف فرنگی سازشوں پر تواتر کے ساتھ سامنے آنے لگے۔

یوں بانیان پاکستان جہاں ایک جانب ایک نظریاتی اسلامی مملکت پاکستان کے جدوجہد کی شروعات کر رہے تھے وہیں مستقبل کی اس مملکت کی خارجہ پالیسی کے خارجہ کردار اور رجحانات کے بارے میں واضح سوچ اور فکر کا اظہار کرنے کی ابتدا کر رہے تھے۔ گویا ان کے نزدیک اس تناظر میں دیکھا جائے تو اسلامیان ہند کی اس وقت کی قیادت اسلامی تاریخ وتمدن سے خوب شناور تھی۔ وہ کولھو کے بیل یا کنویں کے مینڈک کی سوچ کی حامل قیادت ہرگز نہ تھی۔

وہ خوب آگاہ تھے کہ فلسطینی سرزمین کی اہمیت ہم مسلمانوں کے لیے کیا ہے۔ مسجد اقصیٰ ہمارا قبلہ اول ہے اور نبی آخر الزماں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجرت مدینہ کے بعد تقریباً ڈیڑھ دو سال اسلامی سلطنت کے باسی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیر قیادت اسی قبلہ اول کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ تا آنکہ تحویل قبلہ کا حکم اللہ نے فرما دیا۔ مدینہ منورہ میں مسجد قبلتین آج بھی اس تحویل قبلہ کی علامت کے طور پر موجود ہے۔

بانیان پاکستان امت کے شاندار ماضی سے جڑے ہوئے ہونے کے ناطے اپنی مستقبل کی منصوبہ بندی اور پالیسی سے اسے خارج رکھ سکتے تھے نہ اپنی جاری ترجیحات کے دوران اس کی نفی کر سکتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے پوری امت ایک دور زوال سے گزری ہے اور مختلف خطوں میں ایسی شخصیات موجود ہیں جو نشاۃ ثانیہ کے لیے کوشاں ہیں۔

اگرچہ بعدازاں کی قیادتوں اور نسلوں میں سب بیچ کھانے اور بقول اقبال قوم فروختند معمول بن گیا ہے۔ زمین، زن، دین، دھن، اس معمول کی وجہ سے سب قابل فروخت بنا لیا گیا ہے۔ جب دولت، دولت، دولت ہی سب کچھ قرار پا چکا ہو تو یہ اجنبی نہیں۔

اکابرین پاکستان فلسطین اور فلسطینی عوام کے ساتھ 1917 کے اعلان بالفور کے سامنے آنے سے بھی پہلے کھڑے نظر آتے ہیں۔

اکادمی ادبیات پاکستان کی شائع کردہ کتاب ''اقبالیات کے سوسال''، مطبوعہ 2002 کے صفحہ نمبر 985 میں مشہور شخصیت پروفیسر جگن ناتھ آزاد کا ایک مضمون حوالہ دیا گیا

ہے۔ جس میں علامہ اقبال اور قائداعظم کے نام خط میں رقمطراز ہیں:

''مسئلہ فلسطین نے مسلمانوں کو سخت پریشان کر رکھا ہے۔ ذاتی طور پر میں ایک ایسے مسئلے کی خاطر جس کا تعلق اسلام اور ہندوستان سے ہو جیل جانے کو تیار ہوں۔ مشرق کے دروازے پر مغربی استعمار کے اس اڈے کی تعمیر اسلام اور ہندوستان دونوں کے لیے خطرے کا باعث ہے۔''

(اہم بات یہ ہے کہ علامہ اقبال نے اپنے اس خط میں خطرے کی نشاندہی عرب دنیا یا عرب بھائیوں کے لیے نہیں کی بلکہ اسلام اور ہندوستان کے لیے خطرہ ظاہر کیا ہے۔)

اتفاقاً انہوں نے اس خطرے کا یہ اظہار سات اکتوبر کو ہی کیا مگر یہ سات اکتوبر 1937 کا دن تھا۔ اس سے بہت پہلے سے علامہ اقبال کا مفتی اعظم فلسطین سید امین الحسینی سے رابطہ رہا اور اسی طرح مسٹر ایم۔ اے۔ جناح صدر آل انڈیا مسلم لیگ نے ایک خطاب میں کہا ہے کہ:

''فلسطین رپورٹ عربوں کے ساتھ شدید ناانصافی کرتی ہے اور اگر برطانوی پارلیمان نے اس پر اپنی مہر تصدیق ثبت کر دی تو برطانوی قوم عہد شکنی کی مرتکب ہو گی۔ انہوں نے کہا کہ ایسا کام کرنا جو سراسر ناانصافی پر مبنی ہو غلط ہوتا ہے اور صرف اس لیے کہ اس سے زحمت کم سے کم ہو جائے گا یا یہ کچھ خصوصی مفاد کے حسب حال ہے۔ برطانیہ عظمیٰ کو اپنے عہد بے خوفی کے ساتھ پورے کرنے چاہیں۔'' (یہ بیان 11 جولائی 1937ء کو جاری کیا گیا اور 12 جولائی کو دی ٹائمز میں شائع ہوا۔)

فلسطین کانفرنس کے پیش نظر جو سات فروری 1939ء کے لگ بھگ لندن میں منعقد ہو گی، میں نے مسٹر چمبرلین وزیراعظم برطانیہ، برطانوی وزیر ہند اور مسٹر مالسکم میکڈانلڈ وزیر نو آبادیات کو حسب ذیل برقیہ ارسال کیا ہے:

''آل انڈیا مسلم لیگ برطانوی حکومت پر زور دیتی ہے کہ وہ مسلم لیگ کو فلسطین کانفرنس میں نمائندگی دے اور فلسطین کے قومی عرب مطالبات کو تسلیم کرے۔ مسلم ہند نہایت بے قراری کے ساتھ نتائج کا منتظر ہے۔ میں ایک برقیہ کے ذریعہ سے سارے ہند میں پھیلے ہوئے جذبات کی شدت اور تاثرات کا کماحقہ اظہار نہیں کر سکتا۔ کانفرنس کی ناکامی کا سارے عالم اسلام میں تباہ کن اثر ہو گا اور سنگین نتائج برآمد ہوں گے۔ میں بھروسہ کرتا ہوں کہ آپ اس مخلصانہ اپیل پر سنجیدگی کے ساتھ غور کریں گے۔''

مسٹر جناح مختلف صوبائی، ضلعی اور پرائمری مسلم لیگوں کے لوگوں سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ ہند کے طول و عرض میں آٹھ فروری کو عام جلسے منعقد کریں اور اس طرح کے برقیے میں وزیراعظم برطانیہ کو ارسال کریں۔

(اے۔ پی، دی سول اینڈ ملٹری گزٹ، یکم فروری 1939ء)

اسرائیل۔ عرب دنیا تعلقات کی بیلنس شیٹ:

اندریں حالات اسرائیل کے فلسطینیوں کو فریق ماننے سے انکار اور ٹرمپ انتظامیہ کے دوسرے دورِ اقتدار میں غرب اردن کو صہیونی ریاست میں ضم کرنے سے متعلق اعلانات کے بعد بلی تھیلے سے باہر آ چکی ہے۔ ایسے میں اماراتی وزیر مملکت برائے امور خارجہ ڈاکٹر انور قرقاش کا یہ فخریہ اعلان فلسطین میں قیام امن کے خواب دیکھنے والوں کے ان بیانات کا منہ چڑانے کے لیے کافی ہے جس میں کہا گیا ہے: ''اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات استوار کر کے متمول خلیجی ریاست نے غرب اردن کے مقبوضہ عرب علاقوں کو صہیونی ریاست میں ضم کرنے کا اسرائیلی منصوبہ ناکام بنایا''

پندرہ مہینوں پر محیط غزہ پر مسلط کردہ جارحیت کے بعد امریکہ اور اسرائیل کے اہالیان غزہ کو مصر اور اردن میں آباد کرنے سے متعلق اعلانات ایک مرتبہ پھر ''اردن کو فلسطین'' بنانے کے گڑھے مردے اکھاڑنے کا باعث بن رہے ہیں، جس پر شاہ عبداللہ دوم اور مصری صدر عبدالفتاح السیسی کی آنیاں جانیاں دیدنی ہیں۔

یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ امریکی ڈیموکریٹس اور ری پبلیکنز جماعتوں نے دو ریاستی حل کے ضمن میں جو شور بپا کر رکھا ہے، وہ دراصل میڈیا میں پروپیگنڈے کے زور پر بین الاقوامی قانون اور قضیہ فلسطین سے متعلق عالمی رولز آف دی گیم کی صریح بے توقیری پر مبنی ہے۔ بین الاقوامی قانون کی ایسی کھلے عام خلاف ورزی کے ذریعے مسئلہ فلسطین کی بساط لپیٹنے کی کوشش کی جا رہی ہے، جس سے خبردار رہنا نہایت ضروری ہے۔

قیام اسرائیل [1948] کی ابتدائی چند دہائیوں کے دوران عرب ممالک نے یکے بعد دیگرے صہیونی ریاست کے خلاف تین جنگیں لڑیں اور پھر کئی برس کے خفیہ مذاکرات کے بعد مصر، اسرائیل سے کیمپ ڈیوڈ میں [1979] امن معاہدہ کرنے والا پہلا ملک بن گیا۔ اس معاہدے کی رو سے اسرائیلی قبضے [1967] میں جانے والا جزیرہ نما سینا کا علاقہ مصر کو واپس ملا۔ کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی پاداش میں عرب لیگ نے اس وقت مصر کی رکنیت معطل کر دی۔

کیمپ ڈیوڈ سے مصر کو کیا ملا؟:

کیمپ ڈیوڈ امن معاہدے کے بعد قاہرہ ہر سال 1.3 ارب ڈالرز مالیت کی فوجی اور 250 ملین ڈالرز کی امریکی اقتصادی امداد حاصل کرتا ہے۔ کانگریشنل ریسرچ سروس کے مطابق 1979 سے اب تک مصر، امریکہ سے 69 ارب ڈالرز وصول کر چکا ہے جبکہ امن معاہدے کے باوجود اسرائیل نے اتنی ہی مدت کے دوران 98 ارب ڈالرز واشنگٹن سے اینٹھ لیے ہیں۔

ورلڈ بینک کے مطابق مصر نے 2009 میں اپنی مجموعی قومی پیداوار کا 02 فیصد [3.8ارب ڈالرز] فوجی اخراجات پر صرف کیا جبکہ 1976 میں قاہرہ دفاعی اخراجات کی مد میں مجموعی قومی پیداوار کا 20 فیصد صرف کر رہا تھا۔ امن معاہدے کے بعد دفاعی اخراجات میں خاطر خواہ کمی کے بعد قاہرہ کو اپنے وسائل ترقیاتی منصوبوں کے لیے مہیا ہونے لگے۔

اسرائیل۔ مصر امن معاہدے کی 'برکت' سے امریکہ کو خطے میں 'پیس بروکر' کا فیصلہ کن سفارتی کردار ملا۔ تاہم روایتی اسرائیلی نوازی کی وجہ سے واشنگٹن اس کردار کو کما حقہ ادا نہیں کر پایا۔ اسرائیل سے تعلقات کی وجہ سے ہی مصر کا علاقائی قد کاٹھ بھی بڑھا۔ اسی وجہ سے وہ فلسطینی اتھارٹی اور حماس کے درمیان مصالحت کی میز سجانے کے قابل ہوا۔

اسی معاہدے نے مصر اور امریکہ کے درمیان فوجی تعلقات کی راہیں استوار کیں۔ مصری مسلح افواج ان تعلقات پر فخر کرتی ہیں۔ دونوں ملکوں کے درمیان سامان حرب سے لے کر مشترکہ فوجی مشقیں تادمِ تحریر جاری ہیں۔

عوامی حمایت سے عاری امن معاہدہ:

اسرائیل۔ فلسطین امن مذاکرات میں تعطل کی وجہ سے عرب دنیا میں اسرائیل کے خلاف جذبات میں اضافہ ہوتا رہا، حتیٰ کہ اسرائیل سے امن معاہدہ کرنے والے مصر اور اردن میں بھی یہ جذبات فروزاں دکھائی دیتے ہیں۔ مصر اور اردن کے اسرائیل کے ساتھ سفارتی اور محدود تجارتی تعلقات ہیں، اس کے باوجود سرکاری ذرائع ابلاغ میں تل ابیب کے خلاف مخاصمانہ بیانیہ زوروں پر ہے۔

کیا یہ اسرائیل اور مصر کے درمیان ڈرامائی بے اعتنائی کی نئی نشانی ہے۔ درحقیقت ایسا نہیں ہے! عوامی سطح پر رابطوں میں سرد مہری کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کوئی مصری، راہ چلتے کسی اسرائیلی کا مسکرا کر جواب نہیں دے گا۔ اگر اس بات کا یقین نہ ہو تو کسی روز قاہرہ میں اسرائیلی سفارت خانے چلے جائیں۔

قاہرہ یونیورسٹی کی سمت جانے والی ایک مصروف شاہراہ عام پر ایک گمنام اپارٹمنٹ پر نیلی دھاریوں اور ستارے والا سفید پرچم لہراتا دکھائی دے گا۔ سڑک سے یہ پرچم خال خال ہی دکھائی دیتا ہے، آپ غور سے دو مرتبہ دیکھ کر ہی جان پائیں گے کہ ڈیوڈ سٹار سے مزین یہ پھریرا، اسرائیلی پرچم ہے، جہاں متعین اسرائیلی سفرا ہائی سیکورٹی زون میں سفارتی اعزاز کے ساتھ مقید رہتے ہیں۔ شہر میں ہونے والی کسی بھی تقریب میں ایسے 'ہائی سیکورٹی رسک مہمانوں' کو دعوت دینے والے دس بار سوچتے ہیں۔

عرب ذرائع ابلاغ اسرائیل کے حوالے کم ہی ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں، تاہم مصری ذرائع ابلاغ میں حالیہ دنوں میں اسرائیل کے خلاف بے رحمانہ رویے میں شدت دیکھی جا رہی ہے۔ سرکاری سرپرستی میں شائع ہونے والے 'الاھرام' اخبار نے اسرائیلیوں کے انٹرویو کرنے والے اپنے کئی رپورٹروں پر پابندی لگا رکھی ہے۔ مصر اور اسرائیل کے درمیان کیمپ ڈیوڈ معاہدے کی چار دہائیوں بعد بھی مصری اخبار کے ایک ایڈیٹر اسرائیلی سفیر سے ملاقات کی وجہ سے پابندیوں کا سامنا کر رہے ہیں۔

تمام تر فوائد کے باوجود مصر اور اسرائیل کے درمیان کیمپ ڈیوڈ امن معاہدہ کچے دھاگے سے بندھا ایسا عہد و پیماں ہے کہ جو دو ملکوں کے عوام کی بجائے ان کی حکومتوں کو مختلف معاملات کا پابند بناتا ہے۔ اعتماد سے عاری ان امن معاہدوں میں دفاعی رویہ زیادہ نمایاں دکھائی دیتا ہے۔

دونوں ملکوں کے درمیان کسی قسم کا ثقافتی تبادلہ دیکھنے میں نہیں آتا۔ قاہرہ اپنے شہریوں کو اسرائیل سفر کی وجہ سے بلیک لسٹ کر چکا ہے۔ مصر سمجھتا ہے کہ اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان امن کا فقدان ہی دراصل دونوں ملکوں کے درمیان عوامی سطح پر تعلقات میں سرد مہری کی وجہ ہے۔

اردن: امن کا دوسرا شکار:

اردن، 24 اکتوبر 1994 کو اسرائیل سے 'امن معاہدہ' کرنے والا خطے کا دوسرا ملک تھا۔ وادی عربہ کے مقام پر اسرائیل۔ اردن کے درمیان طے پانے والے 'امن معاہدے' سے عمان نے اسرائیل کے زیر قبضہ اپنا 380 مربع کلومیٹر پر محیط علاقہ آزاد کرایا۔ معاہدے کے تحت اردن کے لیے دریائے اردن اور یرموک سے برابری کی سطح پر پانی کا حصول یقینی بنا۔ معاہدے کے ذریعے پہلی مرتبہ اردن کی مغربی سرحد کا تعین ممکن ہو سکا جس کے بعد صہیونیوں کی جانب سے 'اردن کو فلسطین' قرار دینے والا خطرناک منصوبہ اپنی موت آپ مر گیا۔

لیکن امریکہ اور اسرائیل کے غزہ کے باسیوں کو مصر اور اردن میں آباد کرنے سے متعلق اعلانات ایک مرتبہ پھر ’’اردن کو فلسطین‘‘ بنانے کے گڑھے مردے اکھاڑنے کا باعث بن رہے ہیں، جس شاہ عبداللہ دوم اور مصری صدر عبدالفتاح السیسی کی آنیاں جانیاں دیدنی ہیں۔

اسرائیل سے امن معاہدے کے بعد امریکہ نے اردن کے 700 ملین ڈالر مالیت کے قرضے معاف کردیے اور معطل کردہ فوجی امداد اضافے کے ساتھ دوبارہ جاری کر دی۔ اب اردن، امریکی امداد حاصل کرنے والے ملکوں میں شامل ہے۔

نتیجہ:۔۔۔دو ریاستی حل نامنظور۔۔۔

مذکورہ بالا ناقابل تردید تاریخی حقائق اور دستاویزی ثبوتوں کی روشنی میں میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ’’جامع عرب امن

عمل‘‘ کے نام پر دو ریاستی حل کا نعرہ ایک سیاسی اور سفارتی سراب کے سوا کچھ نہیں کیونکہ اسرائیل اور امریکہ میں اقتدار کے سنگھاسن پر موجود انتہا پسند سوچ کے حامل حکمران فلسطینیوں کو سرے سے فریق ماننے کے لئے تیار نہیں یہی وجہ ہے کہ معاہدہ اوسلو سے لیکر اب تک کے متعدد ایسے ہی جھرلو امن معاہدات میں فلسطینیوں کی منزل کھوٹی کرنے کے لئے حامد کرزئی برانڈ کی کٹھ پتلی قیادت کو میونسپل کمیٹی کے اختیارات دے کر کھلواڑ کیا جاتا رہا ہے۔ فَاعْتَبِرُوْا يَآ اُولِى الْاَبْصَارِ

46 فیصد امریکی اسرائیل کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں، امریکی سروے

واشنگٹن (صباح نیوز) امریکہ میں ایک اہم سروے میں بتایا گیا ہے کہ 46 فیصد امریکی قابض صیہونی ریاست کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں۔ اور یہ اب تک کی سب سے کم تعداد ہے، یعنی پچاس فیصد سے کم ہے،

امریکہ میں عمومی ہمدردی کے رجحانات:

فی الحال 46 فیصد امریکی قابضین کے ساتھ ہمدردی رکھتے ہیں، جو گیلپ کے 25 سالہ سروے کے تاریخ میں کم ترین سطح ہے۔ فلسطینیوں کے ساتھ ہمدردی 33 فیصد تک بڑھ گئی ہے، جواب تک کی سب سے زیادہ شرح ہے۔ سیاق وسباق اور حالیہ واقعات:

یہ سروے 3 سے 16 فروری 2024 کے درمیان کیا گیا، جب قابض ریاست اور حماس کے درمیان عارضی جنگ بندی تھی۔

سروے اس وقت ہوا جب قابض وزیراعظم نیتن یاہو نے وائٹ ہاؤس کا دورہ کیا، اور صدر ٹرمپ نے غزہ کے دوبارہ تعمیر کے بارے میں متنازعہ بیان دیا۔ فلسطین۔ قابض ریاست معاملات پر ٹرمپ کی پالیسی کو 40 فیصد امریکیوں کی حمایت حاصل ہے، جو ان کی عمومی حمایت (45 فیصد) سے کم ہے۔

سیاسی تقسیم۔۔۔ریپبلکن:

قابض ریاست کی مضبوط حمایت (83 فیصد مثبت رائے، 75 فیصد قابضین کے ساتھ ہمدردی

ڈیموکریٹس:

فلسطینیوں کی زیادہ حمایت (45 فیصد فلسطینی علاقوں کے بارے میں مثبت رائے، 59 فیصد فلسطینیوں کے ساتھ ہمدردی)۔ آزاد، قومی اوسط کو ظاہر کرتے ہیں، اسرائیل کی حمایت کم ترین سطح پر ہے۔ ڈیموکریٹس کی حمایت میں تبدیلی، تاریخی طور پر ڈیموکریٹس قابض ریاست کے حامی تھے، لیکن 2022 کے بعد سے ان کی حمایت فلسطینیوں کی طرف منتقل ہوگئی۔ فروری 2023 تک، ڈیموکریٹس میں فلسطینیوں کے ساتھ ہمدردی 49 فیصد تک پہنچ گئی، جو قابضین کے ساتھ ہمدردی (38 فیصد) سے زیادہ ہے۔ اکتوبر 2023 میں حماس کے حملے کے بعد، ڈیموکریٹس کی فلسطینیوں کی حمایت عارضی طور پر کم ہوئی، لیکن بعد میں غزہ میں بڑھتی ہوئی سفاکیت کی وجہ سے دوبارہ بڑھ گئی۔

دو ریاستی حل کی امریکی حمایت:

55 فیصد امریکی ایک آزاد فلسطینی ریاست کے قیام کے حامی ہیں، جو 2020 سے جاری رجحان کے مطابق ہے۔

سیاسی تقسیم۔۔۔ڈیموکریٹس:

مضبوط حمایت (76 فیصد)۔

آزاد: معتدل حمایت (53 فیصد)۔

ریپبلکن: منقسم، 41 فیصد حمایت کرتے ہیں جبکہ 49 فیصد مخالف ہیں، حالیہ مہینوں میں حمایت میں اضافہ ہوا ہے۔ حالیہ چیلنجز اور مستقبل کے امکانات: حالیہ واقعات نے دو ریاستی حل پر بحث کو روک دیا ہے۔ دنیا کے رہنما سلامتی، حماس کے مستقبل، اور فلسطینی علاقوں کے انتظام کے بارے میں بات چیت جاری رکھے ہوئے ہیں۔

آپریشن طوفان الاقصیٰ: فلسطینی خواتین اور بچوں کی گرفتاریاں

اسرائیل کے وزیر اعظم بنجمن نیتن یاہو کو بین الاقوامی عدالت نے غزہ پر انسانیت سوز حملوں کی وجہ سے بین الاقوامی ملزم قرار دے کر ہیگ ٹربیونل میں پیش کیے جانے کا حکم جاری کیا ہے۔ یہ فیصلہ نیتن یاہو کی ذہنی کیفیت کے عین مطابق ہے۔ ان کا ذہن شیطانی چالبازی کا عملی ثبوت ہے۔ حماس سے مذاکرات میں بھی اس کا اظہار سامنے یوں آیا کہ آپریشن طوفان الاقصیٰ کے پیش نظر غزہ اور مغربی کنارے سے بے گناہ اور کسی بھی جنگی عمل سے دور فلسطینی بچوں اور خواتین کو گرفتار کیا گیا۔ ان میں معذور اور بیمار فلسطینی بھی تھے۔

ان گرفتاریوں کا مقصد یہ تھا کہ فلسطینی خاندانوں کو ذہنی اذیت دی جائے، کمزور اور معذور بچوں اور خواتین کی گرفتاری کو یرغمالیوں کے تبادلے میں استعمال کیا جائے۔ حماس نے تبادلے کے اس عمل میں چار اسرائیلیوں کی میتیں اسرائیل کے حوالے کیں۔ ان میں دو بچے بھی تھے۔ یہ سب غزہ پر اسرائیل کی بے دریغ بمباری کے اس عمل میں مارے گئے تھے کہ ہر اس عمارت کو نشانہ بنایا جائے جو کسی بھی درجہ میں سلامت نظر آئے۔

اسرائیل کے جو افراد غزہ میں حماس نے پکڑے، انہیں عام طور پر ''یرغمالی'' کہا جاتا ہے۔ اسرائیل جن فلسطینیوں کو گرفتار کرتا ہے، انہیں ''قیدی'' یا ''نظر بند'' کہا جاتا ہے۔ اس بارے میں ریحان الدین نے ایک مختصر رپورٹ تیار کی۔ اس رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جن فلسطینی قیدیوں یا نظر بندوں کو رہا کیا گیا اور وہ فلسطینی حکام کے حوالے کے گئے، انہیں طویل مدتی سزائیں سنائی گئی تھیں۔ یہ سزائیں کئی عشروں پر مبنی تھیں۔ بعض کو تو صدیوں کے اعتبار سے سزائیں سنائی گئی تھیں۔

ان میں سے اکثریت ایسے فلسطینیوں کی تھی جو 7 اکتوبر 2023ء کے طوفان الاقصیٰ کے بعد گرفتار کیا یا پکڑا گیا تھا۔ ان کا اس حملے سے کسی بھی نوعیت کا کوئی تعلق نہ تھا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ ان کا غزہ یا مغربی کنارے سے تعلق تھا۔ گویا اپنے گھر سے تعلق تھا۔ ان کا جرم یہ تھا کہ وہ فلسطینی بچے یا خواتین تھیں۔ اسرائیل نے انہیں سولہ ماہ کی بمباری، جارحیت اور جنگ کے آغاز یا درمیان میں گرفتار کیا گیا تھا۔

7 اکتوبر 2023ء کو اسرائیلی جیلوں میں 9,846 مراد، خواتین اور بچے قید تھے۔ اسرائیل میں کام کرنے والے انسانی حقوق کے ایک ادارے HaMoked کے جاری کردہ یہ اعداد و شمار ہیں۔ ان میں سے 3,369 نظر بند تھے جو ''انتظامی نظر بندی'' کے خود ساختہ اسرائیلی قانون کے تحت بلاتمیز پکڑے جاتے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ جو ہاتھ لگ گیا وہ انتظامی نظر بندی کے قانون کی گرفت میں آ گیا۔ ان میں سے کسی کے خلاف کوئی فرد جرم نہیں ہوتی، کوئی چارج نہیں ہوتا۔

غزہ سے 10 ہزار مرد، خواتین اور بچے پہلے مرحلے میں گرفتار کرنے کے بعد مزید 1802 فلسطینی پکڑے گئے۔ ان کو ایک اور قانون ''غیر قانونی لڑا کا نظر بند'' کے تحت پکڑا گیا۔ اسرائیلی فوج اور پولیس بچوں کو بڑی تعداد میں گرفتار کرتی ہے۔ عام طور پر صرف بچوں کو ہی بلا دریغ گرفتار کیا جاتا ہے۔

''ڈیفنس فار چلڈرن فلسطین'' کی نمائندہ مرانڈا اکلی لینڈ کے مطابق ایک بڑی اہم تعداد 7 اکتوبر سے پہلے پکڑے جانے والے فلسطینی شہریوں کی ہے۔ حماس کے حملے سے پہلے 5,250 فلسطینی پکڑے گئے تھے ان میں سے 10,320 افراد اور بچے انتظامی نظر بندی کے قانون کے تحت پکڑے گئے۔ ان کو عدالت میں پیش کیا جاتا ہے، چھ ماہ کے لیے نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ پھر پیش کیا جاتا ہے اور ان کی نظر بندی میں توسیع کر دی جاتی ہے۔ یوں ان کو بار بار توسیع کے ذریعے قید رکھا جاتا ہے۔ دیگر پکڑے گئے افراد کو محض دو درجن یا اس سے کچھ زیادہ کو غیر قانونی لڑا کا نظر بندی کے قانون کے تحت پکڑا گیا ہے۔

ہیومن رائٹس واچ کی راہ نما برائے اسرائیل و فلسطین می لینا انصاری کا کہنا ہے کہ 7 اکتوبر کے بعد سے نظر بندوں یا قیدیوں کی تعداد دوگنی اور پھر تین گنا ہو گئی ہے۔ یہاں بھی اس اضافے کی وجہ بچوں کی گرفتاری ہے۔ بچے بہت آسانی سے ہاتھ لگ جاتے ہیں۔

دسمبر 2024ء تک گرفتار بچوں کی تعداد 300 کے لگ بھگ تھی۔ ان کی عمریں 12 سے 17 سال تھیں۔ ستمبر 2023ء کے نسبت ان گرفتاریوں میں اضافہ دوگنا ہو گیا تھا۔ تازہ گرفتاریوں میں ان عمروں کے بچوں کی تعداد میں 112 کا مزید اضافہ ہوا تھا۔ ہیومن رائٹس واچ کا کہنا ہے کہ ان بچوں میں سے 37 فیصد بچے انتظامی حراست یا نظر بندی کے تحت پکڑے گئے تھے۔ ستمبر 2023ء تک ایسے بچوں کی شرح اس قانون کے تحت پکڑے جانے والوں کے مقابلے میں 14 فیصد تھی۔

جیسا کہ ذکر کیا گیا کہ ان بچوں کو کسی الزام کے بغیر گرفتار کیا

گیا۔ اس قانون میں اسرائیلی فوج اور عدالت کو یہ ''سہولت'' حاصل ہے کہ وہ ان بچوں کو ان کی جوانی گزر جانے تک بند رکھ سکتے ہیں۔ ان کو کسی بھی سماعت کے لیے کسی عدالت میں پیش نہیں کرنا پڑتا۔ محض اتنا کافی ہے کہ ان کو ''خفیہ اطلاعات'' کی بنیاد پر گرفتار کیا گیا ہے اور بس! ان گرفتار یا نظر بند بچوں کو وکیل کرنے کی سہولت کا حق بھی آزادی سے نہیں دیا جاتا۔ وکیل کا ملنا کیس کے مطابق صوابدید پر رکھا جاتا ہے۔ اگر کوئی فلسطینی کسی سوشل میڈیا پر کوئی ایسی پوسٹ کر دے جو قابل اعتراض قرار دی جائے تو اس کی بقیہ ساری زندگی جیل میں گزرتی ہے اور وکیل بھی آزادی سے نہیں دیا جاتا۔

جن فلسطینیوں کو غزہ سے ''لڑنے والے قانون'' کے تحت پکڑا جاتا ہے، ان کے مقدمات برسوں بعد بھی سماعت کے لیے مقرر نہیں کیے جاتے۔ کسی کو کچھ نہیں بتایا جاتا کہ کوئی ایک فرد بھی کیوں پکڑا گیا۔ خود اسرائیلی تنظیم HaMoked کا کہنا ہے کہ اس قانون کی بین الاقوامی سطح پر کوئی بھی حیثیت نہیں ہے۔

ایسے قیدی جب بھی رہا ہوتے ہیں تو ہولناک تشدد کی داستانیں بیان کرتے ہیں۔ وہ بتاتے ہیں کہ ان سے کس بے رحمی سے تفتیش کی جاتی ہے۔ ان سے بار بار پوچھا جاتا ہے کہ کیا وہ حماس کی سپورٹ کرتے ہیں، وہ کہاں رہتے رہے ہیں، وہ فوج یا پولیس سے حماس کی سرگرمیوں کی رپورٹ کیوں نہیں دیتے؟ ان سب تفتیشی مراحل کے باوجود ان پر کوئی الزام بھی لگایا نہیں جاتا۔

اکتوبر کی جنگ کے آغاز کے دو ماہ بعد اسرائیل نے ''لڑاکا'' کی بنیاد پر گرفتاری کے قانون میں تبدیلی کر دی۔ اس قانون کے تحت گرفتار فلسطینی کی گرفتاری میں بار بار توسیع کرنے کا اضافہ کر دیا گیا۔ گرفتار فرد کی گرفتاری کو 90 گھنٹے کے ابتدائی دورانیے سے بڑھا کر 45 دن کر دیا گیا۔ ایسے نظر بند کو کسی بھی جج کے سامنے لایا جاتا ہے جو اس کی نظر بندی 14 دنوں سے 75 دن کر دیتا ہے۔ کسی نئے نظر بند کو پہلے 21 دن پھر اسے 6 ماہ کے لیے نظر بند کر دیا جاتا ہے۔ اس دوران میں کوئی الزام بھی لگایا نہیں جاتا۔ اب اس نظر بندی کو 3 ماہ کر دیا گیا ہے۔ جن پر کوئی الزام لگا دیا جاتا ہے، اس کے مستقبل کے بارے کچھ بھی یقین سے نہیں کہا جا سکتا۔

7 اکتوبر سے گرفتار ہونے والے کسی بھی فلسطینی، مرد، عورت یا بچے، پر ایک الزام لازمی لگایا جاتا ہے کہ وہ لوگوں کو جنگ کے لیے اشتعال دلا رہا یا رہی تھی۔ جینا ابو حسنیٰ نے بتایا کہ ایک پوسٹ کرنے والے کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جا رہا ہے۔ ان کی بلا جواز گرفتاری اور بار بار کی توسیع کے بارے میں اسرائیل صرف اتنا کہتا ہے کہ یہ فلسطینی نظر بندی کے انتظامی حکم کے تحت گرفتار کیے گئے ہیں۔ یہ اپنے گھر یا گلی میں کھیل کود میں مشغول تھے، چناں چہ گرفتار کر لیے گئے۔ یہ عمل اسرائیل کے لیے بین الاقوامی اصول کے عین مطابق ہے۔ اس ''بین الاقوامی معیار'' کا حال یہ ہے کہ کسی کو بھی دیکھا جائے کہ وہ مستقبل میں کسی بھی طرح ''خطرہ'' بن سکتا ہے تو گرفتار کر لیا جائے۔ مغربی کنارے میں بالخصوص اور پورے اسرائیل میں بالعموم اس طرح سے ''اصولی گرفتاری'' کر لی جاتی ہے۔ ان کو عمر قید بھی سنائی جا سکتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں سزا سنائے بغیر عمر بھر قید رکھا جاتا یا جا سکتا ہے۔

اسرائیلی حکام پر یہ ضرور لاگو ہوتا ہے کہ وہ ان گرفتاریوں کی وجہ ضرور بیان کریں۔ ایسے معاملات میں گزشتہ کچھ

مدت سے صرف اتنا کافی ہے کہ وہ فلسطینی تھی یا تھے۔

میرانڈا کا کہنا ہے کہ اس وقت دنیا کا ''واحد ملک'' اسرائیل ہے جہاں بچوں کو، 12 سال سے 17 سال عمر نظر بند کر دیا جاتا ہے، ان پر تشدد کیا جاتا ہے، ان پر مقدمہ چلایا جاتا ہے اور پھر کوئی بھی فوجی عدالت ان کو عمر قید کی سزا سنا دیتی ہے۔

اس سلسلے میں یہ بات بہت اہم ہے کہ اسرائیلی حکام صرف اتنا جواز پیش کرتے ہیں کہ ان کو 'انتظامی نظر بندی قانون' کے تحت پکڑا گیا ہے اور بس! سعد انصاری کا کہنا ہے کہ کوئی مدت متعین ہی نہیں ہے کہ ان کو اب کب رہا کیا جائے گا۔ ان کے نظر بندی کے کیمپوں میں تشدد اور ''انسانیت سوز سلوک'' کی پوری دنیا الگ سے آباد ہے۔ اس کی آبادی میں روزانہ کی بنیاد پر اضافہ ہو رہا ہے۔ اسرائیل کے ''نظر بندی قانون'' پر اب سوالات اٹھائے جا رہے ہیں۔ گرفتار کیے جانے والے بچوں کی مائیں ان کے پیچھے بھاگتی نظر آتی ہیں۔ انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ ان کے بچے اب گرفتار کیے جا رہے تھے، شاید زندگی بھر ان سے پھر ملاقات ہو یا نہ ہو۔

سعد انصاری کا کہنا ہے کہ یہ قانون بہت ظالمانہ ہے۔ اس کی کوئی اخلاقی یا قانونی بنیاد نہیں ہے۔ یہ بین الاقوامی قانون نظر بندی کی کھلی توہین ہے۔ یہ بچوں کے بارے میں بچوں کے حقوق کے کنونشنز کی بہت سنگین پامالی ہے۔ امریکہ، برطانیہ سب یہ کہہ کر فارغ ہو جاتے ہیں کہ اسرائیل کا یہ حق ہے، کہ وہ دہشت گردوں کو گرفتار کرنے کا جو طریقہ مناسب ہو، اختیار کرے۔ بچوں کے حقوق کے کنونشن پر عمل درآمد کے اقوام متحدہ کے ادارے کہتے ہیں کہ ''آخری حل'' کے طور پر اسرائیل کو ہر قدم اٹھانے کا حق حاصل ہے۔

گرفتاری کا عمل آدھی رات کے اوقات میں بھی کیا جاتا ہے۔ یہ اکثر معمول ہے۔ ان بچوں اور عورتوں کو گھروں میں گھس کر اٹھایا جاتا ہے، مارا پیٹا جاتا ہے، اکثر ناکردہ جرم کا اعتراف کرایا جاتا ہے، اس طرح الزامات لگا کر کسی بھی عدالت کے سامنے کبھی نہیں لایا جاتا۔ میرانڈا کا کہنا کہ یہ ساری گرفتاریاں ایک ایسے نظام کے تحت کی جاتی ہیں جو کسی عادلانہ قانون کے تحت نہیں ہے۔ اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ فلسطینی آبادیوں پر گرفتاری کا خوف طاری کیا جائے، وہ ہر وقت گرفتاری کے خوف میں رہیں۔ ان گرفتاریوں سے ان کے خاندان لرزہ براندام رہیں۔

جب ان گرفتار شدگان کو ایک بار جیل میں لے جایا جاتا ہے، پھر ان سے ''سب کچھ'' ہوتا ہے: بدفعلی کی جاتی، ڈنڈوں سے قومِ لوط والا عمل کیا جاتا ہے، ننھے پھولوں کو بھاری بوٹوں سے بے دریغ اور مسلسل مسلا جاتا ہے، یقین نہیں آتا کہ ان کا جرم فقط یہ ہے اور رہے گا کہ وہ فلسطینی ہیں یا مسلمان ہیں۔ عورتوں کو بالکل برہنہ کر کے قید تنہائی میں رکھا جاتا ہے، ان کے اعضاء پر ضربات لگائی جاتی ہیں، ان کی بار بار جامہ تلاشی لی جاتی ہے جب کہ وہ برہنہ کی جا چکی ہوتی ہیں۔ ان حراستی مراکز اور جیلوں کے گارڈ کھلے عام کہتے ہیں کہ تمہیں آپریشن طوفان الاقصیٰ کا مزہ چکھانے کا سنہری موقع دیا جا رہا ہے۔

سعد انصاری کا کہنا ہے کہ یہ کوئی قانون ہی نہیں ہے کہ جرم ایک کرے اور سزا ایک سو ایک کو دی جائے۔ اسرائیل میں نظر بندی کا قانون اسی طرح سے استعمال کیا جاتا ہے۔ گرفتاریاں مذاکراتی عمل میں ہتھکنڈے کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں۔

رمضان کی مبارک ساعتوں میں غزہ کا نوحہ

نقطہ نظر: منصور جعفر

ڈاکٹر صلاح البردویل

اسماعیل برہوم

جنگ کے نئے مرحلے میں اسرائیل ایک مرتبہ پھر غزہ کے آبادیاتی تناسب اور سیاسی مستقبل کا فیصلہ اپنے حق میں کرنے کی ناکام کوشش میں مصروف ہے۔

گذشتہ سات دنوں سے غزہ پر اسرائیل کے حملوں کے جلو میں صہیونی ریاست نے تباہ حال اہلیانِ غزہ کے لیے بے دخلی کے نئے احکامات جاری کر رکھے ہیں۔ان حملوں میں چھ سو سے زائد فلسطینی، جن میں بڑی تعداد خواتین اور بچوں کی ہے، جان سے ہاتھ دھو بیٹھے ہیں۔

قتل ہونے والوں میں نمایاں نام مزاحمتی تنظیم حماس کے پولٹ بیورو (سیاسی دفتر) کے سینیئر رہنما ڈاکٹر صلاح البردویل اور اسماعیل برہوم کے ہیں۔

صلاح البردویل کو سحری کے وقت سجدے کی حالت میں اور اسماعیل برہوم کو اسرائیلی فوج نے ہسپتال کے اندر تاک کر نشانہ بنایا، جہاں وہ غزہ جنگ کے پہلے مرحلے میں لگنے والے زخموں کے علاج کی خاطر داخل تھے۔

کسی زیر علاج مریض کو ہسپتال کے اندر اہدافی کارروائی کے ذریعے قتل کرنے کا بزدلانہ اسرائیلی اقدام مہذب دنیا کی تاریخ کا ایک شرمناک باب ہے، جس کی مثال معلوم جنگی تاریخ میں ملنا ناممکن ہے۔

سیز فائر کی یکطرفہ خلاف ورزی کے بعد سے فلسطینیوں کی بے دخلی کے نئے اسرائیلی احکامات ایک انتہائی خون آشام رات کے بعد سامنے آئے، جس کے بعد اسرائیلی فوج غزہ کے رفح شہر اور خان یونس سمیت مختلف علاقوں میں فضائی حملوں کے ذریعے فلسطینیوں کو ایک مرتبہ پھر تہہ تیغ کرنے میں مصروف ہے۔

جبری بے دخلی کے نئے اسرائیلی احکامات کا مرکز رفح کے مغرب میں واقع تل السطان کالونی کا علاقہ بتایا جا رہا ہے۔ ظالمانہ بے دخلی پر عمل درآمد کے لیے دیے جانے والے احکامات میں اس مرتبہ ایک کڑی شق یہ شامل کی گئی ہے کہ اسرائیلی حکم نامے پر عمل درآمد کے لیے فلسطینی کسی گاڑی کا استعمال نہیں کر سکتے، انہیں پیدل ہی اپنے ٹوٹے پھوٹے گھر چھوڑ کر محفوظ قرار دیے جانے والے المواسی زون کی سمت سفر کرنا ہوگا۔

المواسی زون پہنچنے کے لیے صرف مقرر کردہ راستے پر ہی پیدل سفر کی اجازت ہوگی، بصورت دیگر خلاف ورزی کرنے والے بے خانماں فلسطینی شہری اسرائیلی فوجی کارروائی کا 'جائز ہدف' شمار ہوں گے۔

تل السلطان کالونی سے نام نہاد 'سیف زون' کا پیدل

راستہ 45 منٹ کا ہے۔ بچے کھچے سامان کاندھوں پر اٹھائے فلسطینیوں کے لیے نئے اسرائیلی احکامات پر عمل درآمد انتہائی مشکل امر دکھائی دیتا ہے۔ مبینہ طور پر محفوظ قرار دیے گئے علاقوں کی سمت سفر کرنے والے فلسطینیوں کی زندگیوں کی حفاظت کی ذمہ داری لینے سے اسرائیلی فوج صاف طور پر انکاری ہے۔

ماضی میں بھی فلسطینیوں کی محفوظ علاقوں کی جانب بے دخلی کے ایسے متعدد احکامات مبہم اور صریح دھوکہ ثابت ہوئے کیونکہ اسرائیلی فوج نے کھلے آسمان تلے زندگی گزارنے والے فلسطینیوں کو تر نوالہ سمجھ کر جارحیت کا نشانہ بنایا۔ کئی دنوں اور گھنٹوں کی مسافت طے کر کے ان نام نہاد سیف زونز میں پناہ لینے والے فلسطینیوں کو اپنے پیاروں کے لاشے اٹھانے کے سوا کسی قسم کی امان نہیں ملتی۔

فلسطینیوں کے غزہ سے بے دخلی کے منصوبے کی نئی تجویز اسرائیلی وزیر دفاع یسرائیل کاٹز نے کابینہ کے سامنے پیش کی تھی، جس کا بظاہر مقصد اہلیانِ غزہ کو اجتماعی سزا دینا، ان کی نسل کشی اور نسلی تطہیر کے سوا اور کچھ دکھائی نہیں دیتا۔

بے دخلی منصوبے میں ڈونلڈ ٹرمپ کی تجویز کی روشنی میں 'رضا کارانہ ہجرت' کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے۔

اس لایعنی اقدام کو ریگولیٹ کرنے کے لیے اسرائیلی وزارت دفاع میں ایک خصوصی ڈائریکٹوریٹ قائم کیا گیا ہے، جہاں سے صیہونی فوج 'رضا کارانہ ہجرت' کی نگرانی کرے گی۔

محاصرہ زدہ غزہ کی پٹی میں اسرائیل نے ہر قسم کی اشیائے خورونوش لانے کی پابندی لگا رکھی ہے۔ سرحدی ناکہ بندی کے بعد فلسطینیوں کی غزہ سے 'رضا کارانہ ہجرت' کے دعووں کی حقیقت اور اسرائیلی عزائم کو جاننا چنداں مشکل نہیں۔

تین ہفتوں سے جاری غزہ کی مکمل ناکہ بندی کے بعد اقوام متحدہ کے ذیلی ادارے یونیسف کا دل دہلا دینے والا انکشاف اسرائیلی سنگدلی واضح کرنے کے لیے کافی ہے کہ شمالی غزہ میں جنوری کے بعد سے دو برس سے کم عمر غذائیت کی کمی کا شکار بچوں کی شرح 6.15 فیصد سے بڑھ کر 31 فیصد ہو گئی ہے۔

یونیسف کی ایگزیکٹیو ڈائریکٹر کیتھرین رسل نے خبردار کیا ہے کہ جنگ کے دوران غزہ میں پیدا ہونے والے بحران کے دوران بچوں میں غذائیت کی کمی میں مبتلا ہونے کے ہولناک اور تباہ کن نتائج مرتب ہو سکتے ہیں۔ الفاظ دیگر اسرائیل اس وقت فلسطینی بچوں کو غذائیت کی کمی کا شکار بنا کر اگلی نسلوں کو زندگی بھر کے لاعلاج روگ لگانے کی پالیسی پر عمل پیرا ہے۔

فلسطینیوں کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک میں ٹرمپ انتظامیہ اور اسرائیل جنگ کے آغاز سے ہی ایک پیج پر ہیں۔ بن یامین نیتن یاہو کے اقتدار کی ڈوبتی ڈولتی کشتی بچانے کے ساتھ ساتھ سیز فائر کی خلاف ورزی اور بعد ازاں غزہ پر مسلط کی جانے والی جنگ کا مقصد فلسطینیوں کو اسرائیل کے سامنے سپر ڈالنے پر مجبور کرنا ہے۔

حالیہ جنگ کے ذریعے اسرائیل ایک مرتبہ پھر غزہ کے

آبادیاتی تناسب اور سیاسی مستقبل کا فیصلہ اپنے حق میں کرنے کی ناکام سی کوشش کر رہا ہے۔

غزہ میں 15 ماہ سے زائد عرصے سے جاری نسل کشی کے باوجود اسرائیل فلسطینیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کرنے میں ناکام ہے، تل ابیب میں موجود سیاسی قیادت کو خود بھی معلوم نہیں کہ سیز فائر کے یکطرفہ خاتمے کے بعد شروع کردہ نئی جنگ سے وہ کیا مقاصد حاصل کرنا چاہتے ہیں؟

اجتماعی سزا کی ظالمانہ پالیسی پر طویل عرصے سے عمل پیرا ہونے کے باوجود اسرائیل غزہ کے عوام کو حماس کے خلاف اکسانے میں ناکام ہے۔ اسی ناکامی کا اعتراف کرتے ہوئے فلسطینیوں کو کبھی مصر اور کبھی اردن کی جانب اجتماعی بے دخلی کی دھمکیوں سے ڈرانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

جنگ سے تباہ حال فلسطینیوں کے خلاف بھوک کو بطورِ ہتھیار استعمال کر کے بھی اسرائیل کو خجالت کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ غزہ کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک جبری نقل مکانی کی راہ دکھا کر بھی اسرائیل اپنے مقاصد میں ناکام و نامراد دکھائی دیتا ہے۔

جنگ کے دوران صحت کے تمام مراکز، تعلیمی ادارے اور عالمی انجمنوں کے دفاتر کو اسرائیل نے اپنے نشانے پر لیے رکھا۔ یورپ اور امریکہ سے ملنے والی ہلاکت خیز جدید ٹیکنالوجی کے بل بوتے پر اسرائیل 50 ہزار سے زائد فلسطینیوں کو فنا کے گھاٹ اتار کر بھی اس طویل ترین جنگ کے علانیہ مقاصد حاصل کرنے میں بری طرح ناکام ہے۔

مغربی دنیا ایک طرف تو بین الاقوامی قانون کی پاسداری کے بھاشن دیتے نہیں تھکتی، لیکن جب گذشتہ برس نومبر میں عالمی فوجداری عدالت سے اسرائیلی وزیراعظم بن یامین نیتن یاہو اور ان کے سابق وزیر دفاع یوآو گیلانٹ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے تو دنیا کے سامنے نازی مظالم کا شور اٹھا کر ٹسوے بہانے والے ملک جرمنی نے ببانگ دہل یہ اعلان کیا کہ 'ریڈ وارنٹ کی پروا کیے بغیر اسرائیلی وزیراعظم کو سفری سہولت فراہم کرنے میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جائے گا۔'

فرانس اور برطانیہ بھی گاہے گاہے جرمنی جیسی 'وفاداری' کا اظہار کر کے اسرائیل کا حوصلہ بڑھاتے رہے ہیں۔

ایسے میں دنیا کی آزادی پسند باضمیر اقوام یہ سوال کرنے میں حق بجانب ہیں کہ نہتے شہریوں کو بھوکوں مار کر اسرائیلی جنگی مشین کے لیے آسان ہدف بنانا عالمی قوانین کی خلاف ورزی نہیں تو اور کیا ہے؟

مغربی دنیا اسرائیلی جرائم کی شدت بیان کرتے ہوئے جس کم و کاست سے کام لیتی ہے، وہ صیہونی قتل عام میں ان کے شریک جرم ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہیں۔

اسرائیلی جنگ کے دوران حماس کا یہ اٹل موقف رہا ہے کہ قیدیوں کے تبادلے کے ذریعے ہی جنگ کا خاتمہ ممکن ہے۔ بالآخر طے پانے والے سیز فائر معاہدے کے پہلے مرحلے پر مشکلات کے باوجود عمل درآمد سے حماس کا نقطہ نظر درست ثابت ہوا۔

تاہم دوسرے مرحلے پر عمل درآمد کے بجائے اسرائیل نے لیت و لعل سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس کے بعد نیتن

یاہو کی حکومت خود ہی حماس کے ساتھ طے پانے والے معاہدے سے پھر گئی۔

معاملات سدھارنے کے لیے امریکی صدر ڈونلڈ ٹرمپ نے اپنے نمائندے ایڈم بوہلر کو دوحہ میں حماس سے براہ راست مذاکرات کے لیے بھیجا، لیکن امریکی ایلچی مذاکرات میں نیتن یاہو کے موقف ہی کی وکالت کرتے دکھائی دیے۔

مذاکرات سے متعلق واشنگٹن اور تل ابیب سے آنے والے بیانات میں مکمل آہنگی دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ اسرائیل اور اس کا سرپرست امریکہ کیا چاہ رہے ہیں۔

مذاکرات میں ناکامی کے بعد شروع ہونے والے اسرائیلی قتل عام سے ایک بات کھل کر سامنے آ گئی ہے کہ اسرائیل میں برسر اقتدار صہیونی مذہبی کیمپ اور وزیراعظم نیتن یاہو کے اقتدار کو برقرار رکھنے کے لیے حماس اسرائیل جنگ بندی معاہدے کی خلاف ورزی کتنی ناگزیر تھی۔

متعدد تجزیہ نگار اس رائے کا اظہار کر رہے ہیں کہ نیتن یاہو اور ان کے جنونی اتحادیوں سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اسرائیلی رائے عامہ کو اب اس حقیقت کا ادراک کرنا چاہیے کہ فلسطینیوں کی اکثریت حماس کو ایک لازوال سوچ کی حامل تنظیم سمجھتی ہے۔

15 ماہ سے زائد عرصے تک اسرائیلی جنگی مشین سے برسائی جانے والی آتش و آہن کی بارش اپنے سروں پر برداشت کرنے والے فلسطینیوں کا عزم دیکھ یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اگر تنظیم کی ساری قیادت بھی ختم ہو جائے یا غزہ کے تمام مکانات ملبے کا ڈھیر بنا کر غرب اردن میں فلسطینی پناہ گزین کیمپوں میں بھی ایسی قیامت بپا کر دی جائے، تب بھی فلسطینی عوام اسرائیلی خواہش کے مطابق حماس کے خلاف صف آرا نہیں ہوں گے۔

ساری صورت حال کا غیر جانبدارانہ تجزیہ کرنے والے اسرائیلیوں کو بھی اس نتیجے پر پہنچنے میں زیادہ دیر نہیں لگے گی کہ امریکہ میں نیتن یاہو کے مسیحی اور صہیونی اتحادی اسرائیلی عوام کے مفادات کے علی الرغم اپنے ذاتی سیاسی عزائم کو بڑھاوا دینے میں زیادہ دلچسپی رکھتے ہیں۔

دنیا بھر کے یہودیوں سے بھی یہی سوال کیا جانا چاہیے، جن کا نام استعمال کر کے صہیونی سوچ کے حامل امریکی اور اسرائیلی سیاسی کار پرداز ہولوکاسٹ کے بعد سے انسانیت کے خلاف جرائم کا ارتکاب کر رہے ہیں۔

غزہ پر دوبارہ بمباری سے یہ حقیقت آشکار ہو چکی ہے کہ نیتن یاہو اقتدار بچانے کے لیے کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں۔ فائر بندی معاہدے کی حالیہ خلاف ورزی محض اتفاق نہیں بلکہ اسرائیلی پارلیمنٹ میں موجود کٹر یہودی ارکان کنیسٹ کی حمایت حاصل کرنے کی کوشش ہے۔

ان انتہا پسند صہیونی سیاست دانوں نے اسرائیلی بجٹ سے پہلے اپنی ہم خیال کمیونٹی کو لازمی فوجی بھرتی سے مستثنیٰ قرار دلوانے کا مطالبہ کیا تھا، بصورت دیگر انہوں نے دھمکی دی تھی کہ وہ نیتن یاہو حکومت کا تختہ الٹنے کے لیے کسی بھی راست اقدام سے گریز نہیں کریں گے۔

نیتن یاہو اینڈ کمپنی غزہ جنگ کو سپریم کورٹ میں اپنے خلاف کرپشن کے مقدمات میں گواہی ملتوی کروانے کے لیے ایک 'ہنگامی جواز' کے طور پر بھی پیش کر کے خود کو قانونی مواخذے سے بچانے کی سبیلیں کر رہے ہیں۔

دوسری جانب یہی موقع پرست اسرائیلی سیاست دان فلسطینیوں اور ان کی قیادت کو خاک و خون میں نہلا کر اسرائیلی قیدیوں کے احتجاجی لواحقین کو بیوقوف بنا رہے ہیں کہ دیکھیں آپ کے پیاروں کی حماس کی قید سے واپسی کے لیے کیا کیا جتن کیے جا رہے ہیں۔

اسرائیلی وزیراعظم نے عدلیہ سے سینگ پھنسانے کے بعد داخلی سلامتی کے اہم شعبے شین بیت کے سربراہ رونن بار کو بھی مدت ملازمت ختم ہونے سے پہلے فارغ خطی دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ غزہ جنگ کتنی ناگزیر ہے، تاہم سپریم کورٹ کی مداخلت سے نیتن یاہو کے فیصلے پر عمل درآمد فی الحال کھٹائی میں پڑ گیا ہے۔ رونن بار سات اکتوبر 2023 کے واقعات کی تحقیقات کا مطالبہ کرنے والے اہم سرکاری عہدیدار تھے۔

اسرائیلی اٹارنی جنرل کو بھی ملازمت سے بے دخل کرنے کی دھمکی سے ظاہر ہوتا ہے کہ دنیا کے سامنے خود کو مضبوط سیاسی و عسکری شخصیت کے طور پر پیش کرنے والے نیتن یاہو داخلی طور پر درپیش سیکیورٹی، ذاتی کرپشن اور سیاسی چیلنجز کے باعث کتنے کمزور ہیں کہ انہیں ان گردابوں سے نکلنے کے لیے ایک مرتبہ پھر فلسطینیوں کے خون کی ضرورت پڑ رہی ہے۔

اسرائیلی معاشرے کی اکثریت سوال کرنے کے بجائے لامتناہی حکومتی جھوٹ کو سچ جان کر اس سوچ میں غلطاں ہے کہ زیادہ سے زیادہ بمباری اور سینکڑوں فلسطینیوں کا خون بہا کر ہی اسرائیلی قیدیوں کی رہائی ممکن بنائی جا سکتی ہے۔ اسی بے نتیجہ انجام کا کھن چکر اسرائیل کو مزید اخلاقی اور عسکری انحطاط کا شکار بنا رہا ہے۔

یہ صورت حال صرف فلسطینیوں سے متعلق اسرائیلی بے اعتنائی کا بیان نہیں بلکہ اس حقیقت کی بھی چغلی کھا رہی ہے کہ اسرائیلی کار پردازوں کو اپنے قیدیوں کی زندگیوں سے بھی کوئی سروکار نہیں۔ بدقسمتی سے عوام اور میڈیا کی معنی خیز خاموشی نیتن یاہو جیسے موقع پرست سیاسی رہنما کے ہاتھ مضبوط کرنے میں کسی حد تک معاون ثابت ہو رہی ہے۔

نیتن یاہو کے اسرائیلی حالات سے متعلق تجاہل عارفانہ کا انجام مسلسل رونما ہونے والے جنگی جرائم کی صورت ہمارے سامنے ہے۔ وہ چند روزہ اقتدار کی خاطر معصوم زندگیوں کے چراغ گل کرنے سے لے کر اسرائیل کی معاشرتی آہنگی اور مشرق وسطیٰ کے استحکام سمیت ہر چیز جلا کر بھسم کر رہے ہیں۔

وہ دن دور نہیں جب نیتن یاہو کو تاریخ میں اسرائیل کی بڑی ناکامی کے بنیادی ذمہ دار مجرم کے طور پر یاد رکھا جائے گا کیونکہ انہوں نے ہر قیمت پر اقتدار سے چمٹے رہنے کی خواہش میں اسرائیلی عوام کو تمام محاذوں پر تنہا کیا اور ہر سفارتی اقدام کو سبوتاژ کر کے دنیا بھر میں سیکیورٹی رسک بنا دیا ہے۔ (بشکریہ: انڈپینڈنٹ اردو)

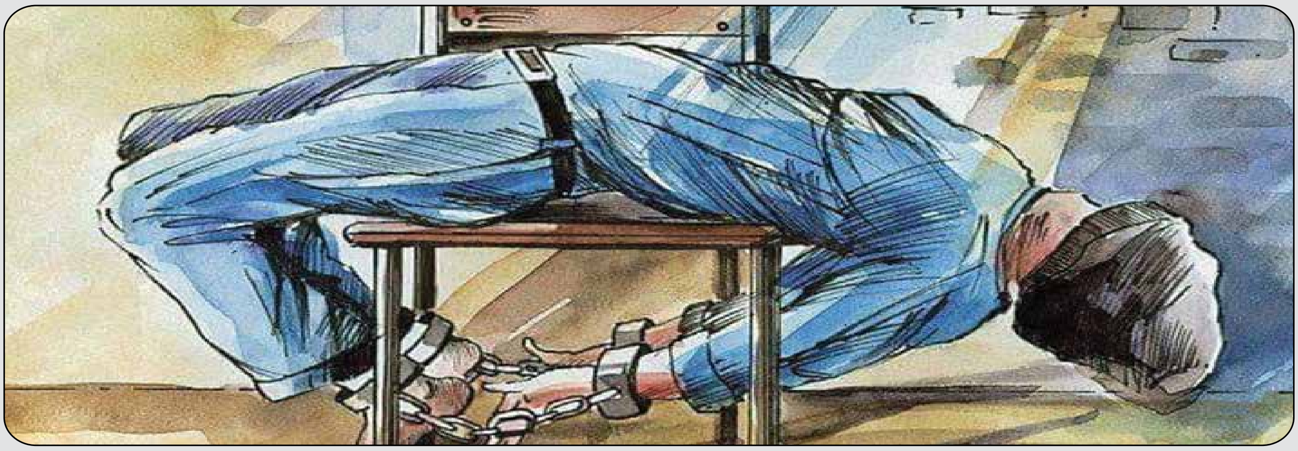

جائزہ: لمیس تغرید

تم انسان دور کی بات، حیوان بھی نہیں

تعذیب کا انداز یوں ہے کہ کوئی انداز ہی نہیں

یہ 24 مارچ کے دن مڈل ایسٹ آئی کی ایک اور کہانی ہے۔ حماس نے قید کے دوران میں فلسطینی نوجوان ولید خالد احمد پر تشدد، مسلسل طبی امداد سے انکار اور جیل میں ہلاکت کی مذمت کی ہے۔ حماس نے کہا ہے کہ ہمارے بے گناہ نوجوانوں کی لاجواز گرفتاریاں جاری ہیں۔ ان پر تشدد ایک جنگی جرم ہے جو بلا روک ٹوک جاری ہے۔ اسرائیل ان تمام جرائم کا ذمہ دار ہے۔ اسے ان جرائم سے بری الذمہ قرار دیا جاسکتا۔

حماس نے خبردار کیا ہے کہ یہ نہ سمجھا جائے کہ ایسا کرنے والے کسی جگہ بھی جواب دہ نہیں ہیں۔ اسرائیل فلسطینیوں پر مظالم کا سلسلہ بند کرے، حماس نے حقوق انسانی کی تنظیموں سے کہا ہے کہ وہ اپنی ذمہ داری ادا کریں۔ اسرائیل کو اس کے جاری مظالم سے روکیں۔ اسرائیل کا یہ ریکارڈ سب کے سامنے ہے کہ وہ فلسطینی نظر بندوں سے تفتیش کے غیر انسانی ذرائع استعمال کرتا ہے، انہیں غیر انسانی حالات میں رکھتا ہے اور انہیں کسی بھی طبی امداد سے روکتا ہے۔

حماس نے مارچ میں چھ اسرائیلی یرغمالی رہا کیے تھے۔ اسرائیل نے ان کے بدلے بہ ظاہر زندہ 600 فلسطینی رہا کیے۔ ان میں وہ قیدی بھی تھا جس نے اب تک صہیونی قید میں سب سے لمبی جیل کاٹی تھی۔ اس کے علاوہ ایک قیدی ایسا بھی تھا جس پر الزام تھا کہ اس نے ایک امریکی کو قتل کیا تھا۔

ان کو ان کی متوقع رہائی سے کافی تاخیر سے رہا کیا گیا تھا۔

حماس نے 6 اسرائیلی یرغمالیوں کی رہائی کے بدلے میں 600 قیدی رہا کرائے تھے۔ ان قیدیوں کی رہائی کے موقع پر ان کے ہزاروں عزیز و اقارب اور احباب جمع تھے۔ وہ رہا ہونے والے اپنے پیاروں کو لینے آئے ہوئے تھے۔ ان میں بہت بڑی تعداد میں دیگر فلسطینی بھی جمع تھے۔ اسرائیل نے 24 دیگر فلسطینی قیدیوں کی رہائی روک دی تھی۔ ان میں 35 سالہ خاتون اور 15 سے 19 سال کے بہت سے نوجوان بھی شامل تھے۔ اسرائیل نے ان کے علاوہ 22 مزید فلسطینی بھی رہا نہیں کیے جن کا ڈیل میں ذکر ہو چکا تھا۔ ان کو رہا نہ کرنے کی وجوہات سے آگاہ نہیں کیا گیا۔

حماس سے معاہدے کے تحت اسرائیل نے جن فلسطینیوں کو رہا کرنا تھا، ان میں 1650 کی رہائی شامل تھی۔ ان میں سے 1000 سے زیادہ فلسطینی کسی چارج کے بناء گرفتار کیے گئے تھے۔ ان کو انتظامی نظر بند قرار دیا گیا تھا۔ آغاز میں یہ واضح نہیں تھا کہ معاہدے کے تحت رہائی پانے والے کون سے فلسطینی ہوں گے۔ میڈیا رپورٹوں سے معلوم ہو رہا تھا کہ کتنی تعداد میں دونوں اطراف سے رہائی پانے والے رہائی پا سکیں گے۔ یہ کہا جا رہا تھا کہ ایک اسرائیلی یرغمالی کے بدلے میں کتنے فلسطینی قیدی یا نظر بند رہا کیے جائیں گے۔ یہ بات بھی محل نظر تھی کہ جن فلسطینیوں کو عمر قید سنا دی گئی تھی، ان کی کیا کیفیت ہوگی۔ کیا وہ رہا بھی کیے جائیں گے یا نہیں۔

معاہدے کے وقت اسرائیلی جیلوں میں 10,400

فلسطینی قید تھے۔ ان میں وہ نظر بند یا قیدی شامل نہیں تھے جن کو غزہ جنگ کے مہ و سال میں غزہ اور مغربی کنارے سے گرفتار کیا گیا تھا۔ ان کے اعداد و شمار ایک فلسطینی کمیشن جمع اور جاری کر رہا تھا جو نظر بندوں کے ساتھ ساتھ قیدیوں کے امور دیکھ رہا تھا۔ ان کو فلسطینی قیدیوں کی سوسائٹی کا تعاون بھی حاصل تھا۔

اسرائیلی یرغمالیوں کے بارے میں تفصیلات اسرائیل کی وزارت انصاف جمع اور جاری کر رہی تھی۔ اس وزارت نے 95 یرغمالیوں کی فہرست جاری کی تھی۔ یہ وہ فہرست تھی جو وزارت کے مطابق حماس کے پاس تھے اور ان کی رہائی معاہدے کے تحت ہونا تھی۔ ان کی حماس کے ہاتھوں گرفتاری کی تاریخ اور مواقع سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان میں سے اکثریت 7 اکتوبر 2023ء کے بعد ہی یرغمال بنائی گئی تھی۔ صرف دس کے قریب ایسے اسرائیلی تھے جو اس تاریخ سے قبل گرفتار کیے گئے تھے۔

حماس اور اسرائیل میں معاہدہ تین مراحل پر مشتمل تھا۔ یہ بات قابل توجہ ہے کہ ایک طرف حماس کو دہشت گرد قرار دیا جا رہا تھا اور دوسری طرف اسی سے مذاکرات کیے جا رہے تھے۔ پہلے مرحلے میں 33 یرغمالیوں کے تبادلے میں 1,000 فلسطینی رہا کیے جانا تھے۔ اس مرحلے میں ایسے 110 فلسطینی قیدی رہا کیے جانا تھے جن کو مختلف مواقع پر عمر قید سنائی گئی تھی۔ ان کے تبادلے میں 19 اسرائیلی رہا کیے جا رہے تھے۔ یہ شدید بیمار تھے۔

ایسے اسرائیلی جن کی عمریں 50 سال سے زیادہ تھیں، وہ پہلے مرحلے میں شامل کیے گئے تھے۔ ان میں رہائی کا تناسب ایک فلسطینی تین اسرائیلی کا رکھا گیا تھا۔ عمر قید پانے والوں میں یہ تناسب ایک اسرائیلی اور 27 فلسطینیوں کا تھا۔ اسی سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ فلسطینی سینکڑوں کی تعداد میں مغربی کنارے سے اغوا کے انداز میں گرفتار کیے جا رہے تھے۔ غزہ پر مسلسل بمباری کی جا رہی تھی جب کہ مغربی کنارے سے مسلسل گرفتاری کی جا رہی تھی۔

اب معاملہ یوں تھا کہ جن فلسطینیوں کو رہا کیا جا رہا تھا، ان کی کیفیت کیا تھی؟ اسرائیل کی انسانی حقوق کی تنظیمیں اور ادارے رپورٹ کر رہے تھے کہ ان کی کیفیت ناگفتہ بہ تھی۔ ان پر رہائی سے پہلے شدید تشدد کیا گیا تھا۔ ایک اہم تنظیم (B'Tselem) کی رپورٹ کے مطابق ان کی کیفیت اسی سے واضح ہو جاتی ہے کہ اس رپورٹ کا نام ہی (Welcome to Hell) لکھا گیا تھا۔ اس رپورٹ میں ایسے 55 فلسطینی قیدیوں کے حالات کا ذکر تھا جو رہائی پانے والوں میں شامل تھے۔ ان پر تشدد کی تصاویر بھی دی گئی تھیں۔ یہ تصاویر خود اسرائیلی حکام نے دی تھیں۔ ان کو دینے کا مقصد بھی ہولناک تھا۔ وہ یہ تھا کہ گرفتار یا نظر بند ہونے والے خبردار رہیں، جہنم ان کا انتظار کر رہی ہے۔

ایسی رپورٹوں میں سے تازہ ترین ایک رپورٹ جولائی 2024ء کے قیدیوں کے بارے میں ہے اور یہ اقوام متحدہ کے ادارے نے جاری کی ہے۔ اس رپورٹ میں رونگٹے کھڑے کر دینے والے انکشافات شامل ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جانوروں پر بھی اس نوعیت کا تشدد نہیں کیا جاتا، جس تعذیب سے فلسطینی گزر رہے ہیں۔ B'Tselem کے عہدے دار نے بتایا کہ ایک تشدد ریگولر ہے جس سے ہر کسی کو گزارا جاتا ہے، پھر ہر قیدی کی عمر، صنف اور گرفتاری کے حالات کے مطابق خصوصی تشدد ہے۔ دنیا میں تفتیش جرم کی نوعیت کے مطابق ہوتی ہے۔ اسرائیل کی جیلوں میں فلسطینیوں پر تشدد تفتیش کا مقصد طے کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔

تشدد میں گالم گلوچ، روزانہ مار پیٹ، جسمانی و ذہنی ایذا رسانی، خوراک اور نیند سے طویل محرومی، بے سکونی کے ہتھکنڈے وغیرہ سب کچھ معمول کی کارروائی کا حصہ ہیں۔

مس نوواک کہتی ہیں کہ فلسطینیوں کے لیے اسرائیلی جیلیں ٹارچر کیمپس سے زیادہ ہولناک ہیں۔ ان جیلوں پر فوجی مقرر ہیں۔ کچھ جیلوں میں سول انتظامیہ کی روائتی نگرانی ہے۔ ان جیلوں میں تعداد کی گنجائش سے کئی گنا زیادہ فلسطینی رکھے جاتے ہیں۔ جن سیلوں میں عمومی طور پر 6 سے زیادہ کو رکھنا ممکن ہیں نہیں، ان میں 18 سے 20 قیدی رکھے جاتے ہیں۔ بعض سیلوں میں قیدیوں کو اکڑوں بیٹھنا پڑتا ہے۔ اس کیفیت میں وہ مہینوں گزارتے ہیں۔ رفع حاجت کے لیے اٹھنے دیا جاتا ہے۔ اس کے لیے بھی بار بار چیخ و پکار کی جاتی ہے۔ جب موقع ملتا ہے تو پہلے سخت مار پیٹ کی جاتی ہے۔ سونے کے لیے کوئی میٹرس نہیں دیا جاتا۔

ایک فلسطینی فراس حسن کو انتظامی نظر بندی کے قانون کے تحت گرفتار کیا گیا تھا۔ وہ ایک اسرائیلی جیل میں تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ انہیں یہ تجربہ ہوا کہ فلسطین کے مقبوضہ علاقے میں رہنا اور پھر اسرائیل کی جیل میں رکھا جانا کس قدر مختلف تھا۔ گویا آزاد ہونا آزادی میں ہونے سے مختلف تھا۔ فراس کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنی ان دو آنکھوں سے دیکھا ہے کہ تشدد کیا ہوتا ہے۔ پھر 7 اکتوبر 2023ء کے بعد زندگی اور بھی بدتر ہوتی گئی۔ مغربی کنارے کے بیت لحم میں ''توتو'' (فرضی نام) سے صحافیوں سے ملاقات ہوئی تو اس نے کہا کہ زندگی یکسر تبدیل ہو گئی ہے۔ میں اسے تشدد کا سونامی کہوں گا جو مجھ پر پھوٹ پڑا تھا۔

محمد حسن نوے کے عشرے دیکھ چکے۔ اس عمر میں دوبارہ پکڑے گئے، ان پر الزام لگایا گیا کہ وہ اسلامی جہاد کے رکن ہیں۔ انہیں عمر قید سنائی گئی تھی۔ ان کا کہنا ہے کہ وہ اور چند دوسرے قیدیوں کو 20 فوجیوں نے مسلسل ڈنڈوں سے پیٹا جاتا رہا ہے، ہم پر کتے چھوڑے جاتے تھے۔ ہمارے ہاتھ پشت پر باندھے جاتے، آنکھوں پر پٹی باندھی جاتی اور پھر بری طرح مارا جاتا۔ محمد حسن کا کہنا ہے کہ میری آنکھوں کے اندر خون داخل ہو جاتا، ان پر بندھی پٹی گیلی ہو جاتی۔ ہمیں مسلسل 50 منٹ مارا جاتا۔ ہماری فلمیں بنائی جاتیں۔ ہمارے چہروں پر پیشاب کیا جاتا، ہم سے پوچھا جاتا کہ پیشاب کا ذائقہ کیسا لگا؟ محمد حسن کو رہا کرتے ہوئے کہا گیا کہ تم پر کوئی الزام نہیں ہے تم بے گناہ ہو۔ اس نے جیل میں 20 کلو وزن کھویا۔ اس نے 13 برس جیل میں گزارے۔ اس نے صحافیوں کے اصرار پر کہا کہ میں اپنا کیا تجربہ بیان کروں؟

ایک اسرائیلی عرب کا کہنا ہے کہ وہ شمالی اسرائیل کی ایک جیل میں صرف 10 دن قید رہا ہے۔ وہاں کوئی قانون یا نظام نہیں ہے۔

اس اسرائیلی عرب کا نام ساری خورشید ہے، یہ فلسطینی نہیں ہے اس پر ان 10 دنوں میں جو بیتی، وہ اس کے یہ قول اس کی زندگی کے تباہ کن دن ثابت ہوئے۔ اس پر الزام لگایا گیا کہ اس نے فیس بک پر دو پوسٹ کیں جن سے حماس کی تعریف کی گئی۔ اسے Megiddo جیل میں لے جایا گیا۔ وہ اپنا سب کچھ بھول گیا۔ اس کا کہنا ہے کہ وہ مجھ پر بھوکے کتوں کی طرح جھپٹ پڑے۔ وہ اپنے آپ میں نہیں تھے۔ وہاں کوئی قانون نہ تھا۔ اسے مجبور کیا گیا کہ وہ فلسطینیوں پر ہونے والا تشدد دیکھے۔ وہ انہیں بری طرح مار رہے تھے۔ وہ چیخ رہے تھے اور مسلسل کہہ رہے تھے۔ ''ہم نے کچھ نہیں کیا، ہم نے کچھ نہیں کیا۔''

ساری خورشید نے بتایا کہ جیل میں ''تنہائی کے سیل'' ہیں۔ انہیں قیدی عام طور پر ''تورا بورا'' کہتے ہیں۔ ان میں

قیدیوں کا عملی طور پر تورا بورا کیا جاتا ہے۔ یہ عملی تورا بورا کیا ہے؟ آپ ہزاروں پاؤنڈ بم ڈیزی کٹر کے نتائج اپنے ذہن میں لایئے اور پھر فلسطینیوں پر گرائے جانے والے تورا بورا کا تصور کیجیے اور بس!

اقوام متحدہ کی رپورٹ جولائی 2024ء کے مطابق مئی میں 35 افراد دوران حراست تشدد کی تاب نہ لاتے ہوئے ہلاک ہو گئے تھے۔ ان کا غزہ سے تعلق تھا۔ ان کے معاملات کی تفتیش اسرائیلی فوج کے ایک وکیل کے ذمہ لگائی گئی تھی۔ وکیل کا اب یہی کہنا ہے کہ وہ ابھی تک یہ نہیں جان سکا کہ ان افراد کو کیوں مار دیا گیا۔ تاہم یہ ثابت ہو چکا ہے کہ یہ افراد مار دیے گئے اور ٹارچر سے ہی مارے گئے۔ اس کا کہنا تھا:

”میں اسرائیلی ہوں۔۔۔ میں وکیل ہوں۔۔۔ میں نے جیل کے باہر کی دنیا دیکھی ہے۔ اب میں جیل کے اندر دیکھ رہا ہوں۔ یہ ایک مختلف دنیا ہے۔ قانون کیا ہوتا ہے، سول زندگی کیا ہوتی ہے؟ یہ سب کچھ منتشر ہو چکا ہے۔“

یکم فروری 2025ء کو یورومیڈ نے ان فلسطینیوں کی ذہنی وجسمانی کیفیت پر مشتمل رپورٹ جاری کی جن کو حالیہ معاہدے کے بعد اسرائیل سے رہائی نصیب ہو سکی تھی۔ رہائی پانے والوں کی غالب اکثریت کو فوری طور پر ہسپتالوں میں لے جانا پڑا۔ ایک قیدی دوران اسیری ذہنی توازن کھو بیٹھا تھا۔ اسے طبی امداد نہیں دی گئی۔ رہائی پر اسے علاج کے لیے بھیجا گیا۔

ان رپورٹوں کو سامنے رکھتے ہوئے یورومیڈ نے یہ رائے قائم کی ہے۔ اس کی یہ رائے عام دنیا کے لیے اس لیے اہم ہے کہ یورپی یونین کا ادارہ ہے۔ اس کی رائے یہ ہے کہ اسرائیل کے جیلوں میں اس قدر شدید اذیت کے طریقوں نے ان کو باقاعدہ ادارہ جاتی تشدد کے مراکز میں تبدیل کر دیا ہے۔ اس سے محض جیل حکام کی بیمار ذہنیت ہی سامنے نہیں آئی بل کہ ان کی حکومت کی ذہنی متشدد بیمار ذہنیت بھی ثابت ہوتی ہے جو تشدد کو جنگی حربے کے طور پر استعمال کرتی ہے۔ جب کسی قیدی کو سزا سنا دی جاتی ہے تو عام قاعدہ دنیا بھر میں یہ ہے کہ اس کو قید رکھا جاتا ہے۔ اگر اس کو عدالت بامشقت سزا دیتی ہے تو جیل مینوئل کے مطابق اس کے لیے مشقت مقرر کر دی جاتی ہے۔ اسرائیل کی جیلیں بالخصوص فلسطینی قیدیوں پر بے انداز تشدد کرتی ہیں۔ اس طرح قیدی کے وارثوں کو مسلسل ذہنی اذیت میں رکھا جاتا ہے۔

حالیہ رہائی کے تجربات نے ثابت کیا ہے کہ ہر رہا ہونے والے فلسطینی پر شدید جسمانی تشدد کیا گیا ہے۔ یورومیڈ کی فیلڈ ٹیموں نے ایسے فلسطینیوں کے انٹرویوز کیے ہیں۔ ان کو مجبور کیا گیا کہ وہ رہائی کے وقت جیل کے کپڑے پہنیں ورنہ انہیں برہنہ ہی رکھا گیا۔ ان پر ذہنی وجسمانی ٹارچر کے حربے اختیار کیے گئے۔ جب انہیں گاڑیوں میں سوار کرایا گیا، تب بھی انہیں مارا پیٹا گیا، ان کے سر مونڈھ دیے گئے، ان قیدیوں کے گھروں پر فوج بھیجی گئی، ان کا مال واسباب لوٹ لیا گیا، ان کے اہل خانہ کو بری طرح زد وکوب کیا گیا، اکثر کے گھروں سے متبادل افراد کو بلا امتیاز مرد وزن یا بچے، گرفتار کر کے گنتی پوری کی گئی۔

رہائی پانے والوں کے اہل خانہ نے ان کی رہائی کی خوشی منانے کے لیے پروگرام رکھے تو ان پر حملے کیے گئے۔ فوج اور یہودی آبادکاروں نے ان کی جائیدادیں تباہ کر دیں، گھروں کو آگ لگا دی یا ان کو بلڈوز کر دیا گیا۔ ان تقریبات پر انسوگیس پھینکی گئی، فائرنگ کی گئی اور عزیز و اقارب کو بے دریغ زخمی کر دیا گیا۔

رہا ہونے والوں کے بیانات یورومیڈ ٹیموں نے حاصل کیے۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ جیل حکام نے ہر قاعدے قانون کو پامال کیا۔ ان کی رہائی کی مختصر سی خوشی کو تکلیف دہ بنا دیا۔ ان کو یہ محسوس کرایا گیا کہ بھلا تھا کہ ان کو رہا ہی نہ کیا جاتا۔ نظر بندوں کی مار پیٹ معمولی واقعہ بنا دی گئی۔ ان کی رہائی سے قبل ان کو مسلسل بھوکا پیاسا رکھا گیا۔ ان کو مسلسل قید تنہائی میں رکھا گیا۔ اس طرح انہیں صرف فلسطینی ہونے کی سزا دی گئی۔

رہائی سے قبل ان کو گاڑیوں میں ہاتھ بازو کھینچ کر مخالف سمت میں پشت سے الگ کرنے کے انداز میں دنوں اور گھنٹوں زنجیروں سے باندھا گیا۔ انہیں مسلسل ہذیان بکنے، ماں باپ ایک کرنے اور دوسری مغلظات سے ذہنی طور پر ہراساں کیا جاتا رہا۔

رہائی کے طے شدہ دن سے ایک روز قبل اسرائیلی فوج نے ان کو اپنی کسٹڈی میں لیا، سر مونڈھ دیے گئے۔ ایک سابقہ قیدی ہیثم جابر نے بتایا کہ اس نے سر مونڈھوانے سے انکار کیا تو اس کے چہرے سے اسے نوچنے کے انداز میں پکڑا گیا اور سر آنکھوں سمیت سارے بال شیو کر دیے گئے۔ اس کے لیے اور اس جیسے دیگر کے لیے زندگی مشکل بنا دی گئی، ان کے خلاف ٹارچر، گالم گلوچ اور ذلیل ورسوا کرنے کا آخری حربہ تک آزمایا گیا۔

رہائی پانے والوں سے کہا گیا کہ وہ اکیلی قطار میں کھڑے ہو جائیں۔ حکم ملنے پر چاروں ہاتھوں اور پاؤں پر یوں چلیں کہ سامنے والے سے نہ ٹکرائیں۔ اس طرح انہیں عملی طور پر جانور یا چوپائے بنا دیا گیا۔ انہیں خوراک، پانی اور ہوا تک سے محروم کر دیا گیا۔ ان کے چہروں پر گردن تک ماسک چڑھا دیے گئے جس سے دم گھٹنے لگا۔ بہت رحم کیا گیا تو دن بھر میں پانی کی ایک بوتل تھما دی گئی۔

سال 2000ء سے قید وائل القیشہ نے رہائی پر بتایا کہ جیل میں ہمارے اعصاب سے کھیلا جاتا تھا۔ وہ ہمیں بتائے بغیر جیل سے لے جاتے، اور ٹارچر سیل منتقل کر دیتے۔ ہمیں کچھ معلوم نہ ہوتا کہ ہم کہاں لے جائے جا رہے ہیں۔ اسی طرح ٹارچر کا سامنا کرنا پڑتا۔ پھر بسوں میں لے آتے اور گھنٹوں بسوں میں رکھا جاتا۔ اس سے ہم ڈیپریشن میں چلے جاتے۔ پھر کہا جاتا کہ اب تمہیں رہا کیا جائے گا۔

رہائی سے قبل فلسطینیوں کو اوفار جیل منتقل کر دیا جاتا۔ انہیں بتایا جاتا کہ انہیں ہفتہ یا اتوار کو رہا کر دیا جائے گا۔ لیکن انہیں ہفتہ بھر قید رکھا جاتا۔ جیل حکام ان پر اچانک پل پڑتے۔ پھر ٹارچر کی مشین چل پڑتی۔ یوں لگتا کہ رہائی تو محض مذاق ہے، ہمارے ساتھ یہ یونہی کرتے رہیں گے۔

یورومیڈ نے رہائی پانے والے ایک بچے کی شناخت ظاہر کیے بغیر بتایا کہ ان بچوں کو خوراک سے محروم رکھنا، محدود یا کوئی خوراک نہ دینا عام بات تھی۔ رہائی سے پہلے ان سے اقرار نامے لیے گئے کہ ان سے اچھا سلوک کیا گیا اور ان کا خیال رکھا گیا۔ بچوں پر نفسیاتی تشدد کیا جاتا۔

انسانی حقوق کی تنظیموں کا کہنا ہے کہ انہیں محض جیلوں کے دورے ہی نہ کرائے جائیں، نظر بندوں اور قیدیوں سے ان کی ٹیموں کی آزاد ماحول میں ملاقاتیں کرائی جائیں، ان کو قانونی امداد فراہم کی جائے۔ اسرائیل کو ان اقدامات پر بین الاقوامی عدالت اور دیگر اداروں میں جواب دہ بنایا جائے۔ اس عمل کو اب تک امریکہ یہ کہہ کر ناکام بناتا آ رہا ہے کہ دہشت گردوں کے کوئی حقوق نہیں ہوتے۔

ایسے ممالک جوان جیلوں تک رسائی کا حق استعمال کرتے ہیں، وہ ساتھ دیں اور ان اذیت خانوں کو آزاد دنیا کے لیے کھولا جائے اور اسرائیل کو اس کے ان جرائم پر ذمہ دار ٹھہرایا جائے۔ کیا کبھی ایسا ہو سکے گا؟

نقطہ نظر: یووان ریڈلی

اسرائیل: امداد پہنچانے والوں کو مجرم قرار دینے پر بھی مصر

رمضان المبارک کے دوران میں چاہتی ہوں کہ اپنا قلم ایک طرف رکھ دوں اور زیادہ تر وقت فلسطین کے لیے کام کرنے والے خیراتی اداروں کی مدد کرنے میں لگی رہوں۔ یہ غیر سرکاری تنظیمیں لبرل اور بائیں بازو کے لوگوں کے لیے زیادہ مقبول نہیں ہیں۔

وہ خوفزدہ ہیں کہ اگر کوئی بھی چیز غزہ سے جڑی ہوگی تو صیہونی لابی کی نہ ختم ہونے والی دھمکیاں ملیں گی۔ میں نے لیبر پارٹی سے برطانیہ میں کئی سال پہلے استعفا دیا تھا۔ یہ استعفا اس لیے دیا کہ صدام حسین کے تباہی لانے والے ہتھیاروں کے خاتمے کے لیے برطانیہ کو ایک غیر قانونی جنگ میں دھکیل دیا گیا تھا۔

مجھ سے مستعفی ہونے کا مطالبہ بہت ہی اچھا مطالبہ تھا۔ مطالبہ یہ تھا کہ استعفا دے دوں اس سے پہلے کہ مجھے پارٹی سے نکال باہر کیا جائے۔

درجنوں یہودیوں اور سابق رہنما و ممبر پارلیمنٹ جیریمی کوربن سمیت بہت سے ارکان کو بھی اس کے بعد سے پارٹی سے نکال دیا گیا۔ جن کے بارے میں اب یہ بات مصدقہ ہے کہ وہ صیہونیوں کے کنٹرول میں ہیں۔

اسرائیل کے حامی لابنگ فرمز کو وزیر اعظم کیئر سٹارمر کی کابینہ نصف سے زیادہ کو فنڈ دیتی ہیں۔ بلاشبہ یہ میڈیا کے لیے ایک بہت بڑا اسکینڈل ہوگا کہ برطانیہ کی کابینہ کسی غیر ملکی طاقت کے زیر اثر ہو۔ مثال کے طور پر، ماسکو نہ کہ امریکہ اور برطانیہ کی پسندیدہ نسل پرست ریاست۔

لیکن معذرت، اب میں اتفاق نہیں کرتی۔ کیونکہ اس میں کافی سنجیدہ تعلق ہے۔ اس لیے اب میں اسرائیلی فوج کے ہاتھوں ہونے والی انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں، جنگی جرائم اور نام نہاد اسرائیل ڈیفنس فورس جو خود کو دنیا کی سب سے زیادہ اخلاقی فوج سمجھتی ہے سے متفق نہیں ہوں۔

محض چند گھنٹے پہلے غزہ میں 9 امدادی کارکن اسرائیلی فوج کے میزائل حملے سے ہلاک کر دیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ اسرائیلی فوج معصوم شہریوں کی کئی ماہ سے ہر روز ہلاکتیں کر رہی ہے۔ مہینوں، برسوں بلکہ دہائیوں سے یہ سلسلہ جاری ہے۔

پچھلے سال ماہ اپریل میں نقلی انداز کا ہی سہی ایک واقعہ ورلڈ سنٹرل کچن کے سات کارکنوں کی ہلاکتوں کی صورت ہوا تھا۔ تازہ ترین واقعے میں نہ صرف یہ کہ جنگ بندی کی خلاف ورزیاں بھی اسرائیلی فوج نے مسلسل جاری رکھی ہیں۔ اس وجہ سے کمزور سی جنگ بندی کی بھی خلاف ورزیاں بھی جاری ہیں۔

برطانیہ میں قائم خیراتی ادارے ’الخیر‘ کو بھی نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ وہی خیراتی ادارہ ہے جس کے لیے سکاٹ لینڈ میں، میں نے رمضان سے پہلے چندہ جمع کرنے میں مدد دی تھی۔ اسرائیلی فوج چیریٹی کی امدادی ٹیم کو نشانہ بنانے سے بھی مطمئن نہیں ہے۔

اب ’اسرائیلی ڈیفنس فورس‘ نے اپنی بمباری کا نشانہ بننے والوں کو دہشت گرد قرار دینے کی کوشش کی ہے۔ یہاں تک کہ اس نے سوشل میڈیا کے ذریعے ان فلسطینیوں کی تصویریں زیر گردش لانے کی انتہا کر دی ہے۔ ان ہلاک

کیے گئے فلسطینیوں کو کسی بھی ثبوت کے بغیر فلسطینی مزاحمتی گروپوں سے جوڑ دیا گیا ہے۔

اس دعوے کے لیے قابض افواج کے قاتلانہ حملے کا جواز گھڑنے اور معصوم امدادی کارکنوں کا قتل چھپانے کے لیے جلد بازی میں 'آئی ڈی ایف' نے اپنے 'ٹویٹس' میں غلط تصاویر کا استعمال کیا۔

پچھلی رات جب میں لندن میں 'الخیر فاؤنڈیشن' کے ٹی وی سٹوڈیو گیا تو ہر طرف فضا میں سوگواریت کی ایک بڑی لہر تھی۔ اس چیریٹی کے ادارے 'الخیر فاؤنڈیشن' کے 8 امدادی اور میڈیا کارکنوں کو اسرائیلی فوج نے بمباری سے ہلاک کر دیا تھا۔ یہ سارا نقصان ایک خاندان کا تھا۔

شہداء کی تصاویر اسرائیلی فوج اور حماس و اسلامی جہاد جنھیں اسرائیل دہشت گرد سمجھتا ہے کے ٹویٹس میں کوئی مماثلت نہیں تھی۔ لیکن اس فرق کو ان مرنے والوں کے خاندان، دوستوں اور دفتری ساتھیوں کے علاوہ اور کون جان سکتا ہے۔

اس وقت سر ونسٹن چرچل یاد آئے جنھوں نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ 'جھوٹ دنیا کا آدھا سفر طے کر چکا ہوتا ہے اور سچ ابھی پتلون پہن کر نکلنے کی تیاری کر رہا ہوتا ہے۔'

یہ امدادی کارکن اس الخیر امدادی ادارے سے تعلق رکھتے ہیں جس کا آغاز 20 سال پہلے ہوا تھا اور اس نے انسانی امداد کے لیے لاکھوں پاؤنڈ جمع کیے تھے۔

اس کے ساتھ ہی 30 سال پرانا انٹرپال کیس یاد آیا جب انٹرپال کے خلاف دہشت گردی کے الزامات لگے تھے۔ لگائے گئے ان الزامات کو بعد ازاں اخبارات میں دہرائے جانے پر چیلنج کیا گیا۔ مگر معاملہ عدالت میں جائے بغیر ہی طے کر لیا گیا۔

جیوش 'کرانیکل' اخبار کے ایڈیٹر سمیت کئی اخباروں نے اپنے خبروں کے جھوٹ پر مبنی ہونے کی وجہ سے معافی مانگی تھی اور اگست 2019 میں یہ معافی نامہ شائع بھی کیا گیا۔ معافی نامے میں یہ شامل کیا گیا کہ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ انٹرپال اور اس کے ٹرسٹیز میں سے کسی نے کسی بھی قسم کی دہشت گردی میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی وہ دہشت گردی کی معاونت کرتے رہے۔ معافی نامے کے ساتھ ساتھ انٹرپال کے قانونی اخراجات بھی اسے ادا کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

خیال رہے 'جیوش کرانیکل' اسرائیل کا ایک بڑا حامی اخبار ہے۔ اس سارے معافی نامے تک کے عمل کے باوجود صیہونیوں سے بنکاری نظام پر اپنی گرفت کی وجہ سے چیریٹی کے لیے عوامی سطح پر کام کرنا اور فنڈ ریزنگ کرنا تقریباً ناممکن بنا دیا۔ اس کی زد انٹرپال پر بھی پڑی۔ لیکن آج انٹرپال مقبوضہ فلسطین کے رہنے والوں کے لیے ایک وکیل کے طور پر سامنے ہے اور اس کی وجہ سے لوگوں کو حوصلہ ملتا ہے۔

اس کے خلاف الزامات لگانے والے کبھی بھی کسی غلط یا غیر قانونی کام کا ثبوت پیش نہیں کر سکے۔

30 سال پہلے انٹرپال کو جس صورتحال کا سامنا تھا آج اسی صورتحال کا سامنا 'الخیر فاؤنڈیشن' کو ہے۔

یہ فاؤنڈیشن بھی فلسطین ہی نہیں بلکہ دنیا بھر میں جنگ زدہ عوام اور جنگوں سے تباہ کر دیے گئے علاقوں میں کام کرتی ہے۔

اس کے بین الاقوامی دفتر کے ڈائریکٹر محمد ابو حسنہ نے غزہ میں ہونے والی صورتحال کے بارے میں واشنگٹن پوسٹ کو بتایا کہ جب ان کے امدادی کارکن فلسطینیوں کے لیے امدادی کیمپ لگا رہے تھے تو ان کی گاڑی پر بمباری کی گئی جس کے نتیجے میں دو فوٹو گرافر اور امدادی کارکن جاں بحق ہو گئے۔

ابو حسنہ نے بتایا جو لوگ بمباری میں زندہ بچ گئے تھے انہیں نکالنے کے لیے ایک اور گاڑی بھیجی گئی لیکن جیسے ہی وہ گاڑی میں سوار ہوئے ان پر بھی بمباری کر دی گئی اور وہ سبھی جاں بحق ہو گئے۔

انہوں نے بتایا 'اسرائیلی بمباری سے ہلاک ہونے والوں میں فاؤنڈیشن کے 7 کارکن شامل تھے۔'

ہفتہ کی شام الخیر کے سربراہ اور بانی قاسم رشید احمد نے 'بی بی سی' کو بتایا تھا کہ ان کی ٹیم علاقے میں خیمے لگانے اور چیریٹی کے لیے دستاویزی مواد تیار کرنے کی غرض سے تصاویر بنانے میں مصروف تھی۔ ان کا کیمرہ مین گاڑی کی طرف واپس آیا اور اسے ٹکر ماردی گئی۔

بعد ازاں اس کیمرہ مین کو ریسکیو کرنے کے لیے امدادی کارکنوں کی جو ٹیم پہنچی اس پر ڈرون حملہ کر دیا گیا۔

قاسم رشید نے امدادی کارکنوں کی ہلاکت کے بارے میں واضح طور پر کہا کہ ان کا غزہ کے کسی سیاسی گروپ یا کسی تحریک سے کوئی تعلق نہیں اور ان کے امدادی کارکن محض انسانی بنیادوں پر لوگوں کی مدد کے لیے غزہ میں کام کر رہے ہیں۔

لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ حقائق اسرائیلی فوج کی من گھڑت اور پھیلائی گئی کہانی میں رکاوٹ مشکل سے ہی بن سکیں گے۔ کیونکہ سچ کے باہر آنے سے پہلے جھوٹ آدھی دنیا کا سفر مکمل کر چکا ہوتا ہے۔

اسرائیل کئی جنگوں کے حوالے سے کیے گئے جرائم کی وجہ سے پہلے ہی تحقیقات کی زد میں ہے۔ 'الخیر فاؤنڈیشن' کے پیش کردہ ان حقائق سے صاف طور پر پریشان نظر آ رہا ہے۔

نیتن یاہو یہ سمجھتے ہیں کہ ورلڈ سنٹرل کچن کے سات امدادی کارکنوں کی ہلاکت کے بعد جس ذلت آمیز معافی کا راستہ لینا پڑا تھا اب بھی اسی طرح کا واقعہ پیش آیا ہے۔

جبکہ بین الاقوامی فوجداری عدالت میں وزیر اعظم اسرائیل کو خود جنگی جرائم کے تحت وارنٹ گرفتاری کا سامنا ہے۔ تاہم اسرائیل حقائق کو سامنے نہ لانے والے رسمی بیانات کی آڑ لیے ہوئے نظر آتا ہے۔

نیتن یاہو جو بھی کہہ رہے ہیں لیکن نتیجہ یہی ہے کہ ایک بار پھر قتل کی بڑی واردات امدادی کارکنوں کے خلاف کی گئی ہے اور نیتن یاہو کی بدمعاش حکومت میدان میں کام کرنے والے امدادی کارکنوں کو نشانہ بنا کر خیراتی کام کو ہی ایک جرم بنا کر پیش کر رہی ہے۔

یہی سلوک انہوں نے صحت کے شعبے اور اس سے وابستگان کے ساتھ کیا ہے۔ یہی معاملہ اہل صحافت کے ساتھ ہوا اور اساتذہ کے ساتھ کیا گیا۔ لیکن اس کے باوجود دعویٰ ہے کہ اسرائیلی فوج ایک اخلاقی فوج ہے۔

لیکن مسٹر نیتن یاہو آپ اور آپ کے فوجی نہیں جانتے کہ اخلاقیات کیا ہوتی ہیں۔

برطانیہ سے تعلق رکھنے والی صحافی و مصنف یوونے ریڈلی مشرق وسطیٰ اور ایشیا میں دہشت گردی کے خلاف عالمی جنگ پر لکھتی ہیں۔ انہوں نے مشرق سے مغرب تک دنیا کے مختلف واقعات کو کئی اشاعتوں میں شائع کیا ہے۔ ان کی یہ تحریریں واشنگٹن پوسٹ سے لے کر تہران ٹائمز اور طرابلس پوسٹ تک کئی میڈیا آؤٹ لیٹس پر متنوع موضوعات سے دنیا میں پہنچی ہیں اور انہوں نے امریکہ و برطانیہ میں کئی ایوارڈ حاصل کیے ہیں۔

10 سال پہلے انہوں نے ٹی وی اور ریڈیو کے ذریعے گوانتانامو بے کے علاوہ لیبیا، عرب دنیا خاص طور پر عرب بہاریہ کے دنوں کے حالات، فلسطینیوں پر ہونے والے واقعات اور دوسرے بین الاقوامی مسائل پر کئی دستاویزی فلمیں بنائیں۔

آخری پیغام

فلسطینی شہید صحافی حسام شباط

فلسطینی شہید صحافی حسام شباط کی ٹیم کی جانب سے (X) پر ان کا آخری پیغام شیئر کیا ہے:

اگر آپ یہ پڑھ رہے ہیں، تو اس کا مطلب ہے کہ میں شہید ہو چکا ہوں، زیادہ امکان ہے کہ اسرائیلی قابض فوج نے نشانہ بنایا ہوگا۔ جب یہ سب شروع ہوا، میں صرف 21 سال کا تھا۔ ایک کالج کا طالب علم جس کے دوسرے نوجوانوں کی طرح خواب تھے۔ پچھلے 18 مہینوں سے، میں نے اپنی زندگی کا ہر لمحہ اپنے لوگوں کے لیے وقف کر دیا۔ میں نے شمالی غزہ میں ہونے والے خوفناک واقعات کو لمحہ بہ لمحہ رپورٹ کیا، دنیا کو وہ سچ دکھانے کے لیے پرعزم جو دشمن چھپانا چاہتے تھے۔ میں فٹ پاتھوں پر، سکولوں میں، خیموں میں، جہاں کہیں بھی ممکن ہوا سو گیا۔ ہر دن بقا کی جنگ تھی۔ میں نے مہینوں بھوک برداشت کی، لیکن اپنے لوگوں کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑا۔

خدا کی قسم، میں نے ایک صحافی کے طور پر اپنا فرض پورا کیا۔ میں نے سچ کی رپورٹنگ کے لیے سب کچھ خطرے میں ڈال دیا، اور اب، میں آخر کار آرام کر رہا ہوں۔ ایسی چیز جو میں نے پچھلے 18 مہینوں میں محسوس نہیں کی۔ میں نے یہ سب صرف اس لیے کیا کیونکہ میں فلسطینی مقصد پر یقین رکھتا ہوں۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ یہ زمین ہماری ہے اور اس کی حفاظت کرتے ہوئے اور اس کے لوگوں کی خدمت کرتے ہوئے شہید ہونا میری زندگی کا سب سے بڑا اعزاز ہے۔

اب میں آپ سے گزارش کرتا ہوں:

غزہ کے بارے میں بولنا مت چھوڑیں۔ دنیا کو نظر انداز مت ہونے دیں۔ لڑتے رہیں، ہماری کہانیاں سناتے رہیں۔ یہاں تک کہ فلسطین آزاد ہو جائے۔

آخری بار، حسام شباط، شمالی #غزہ سے۔

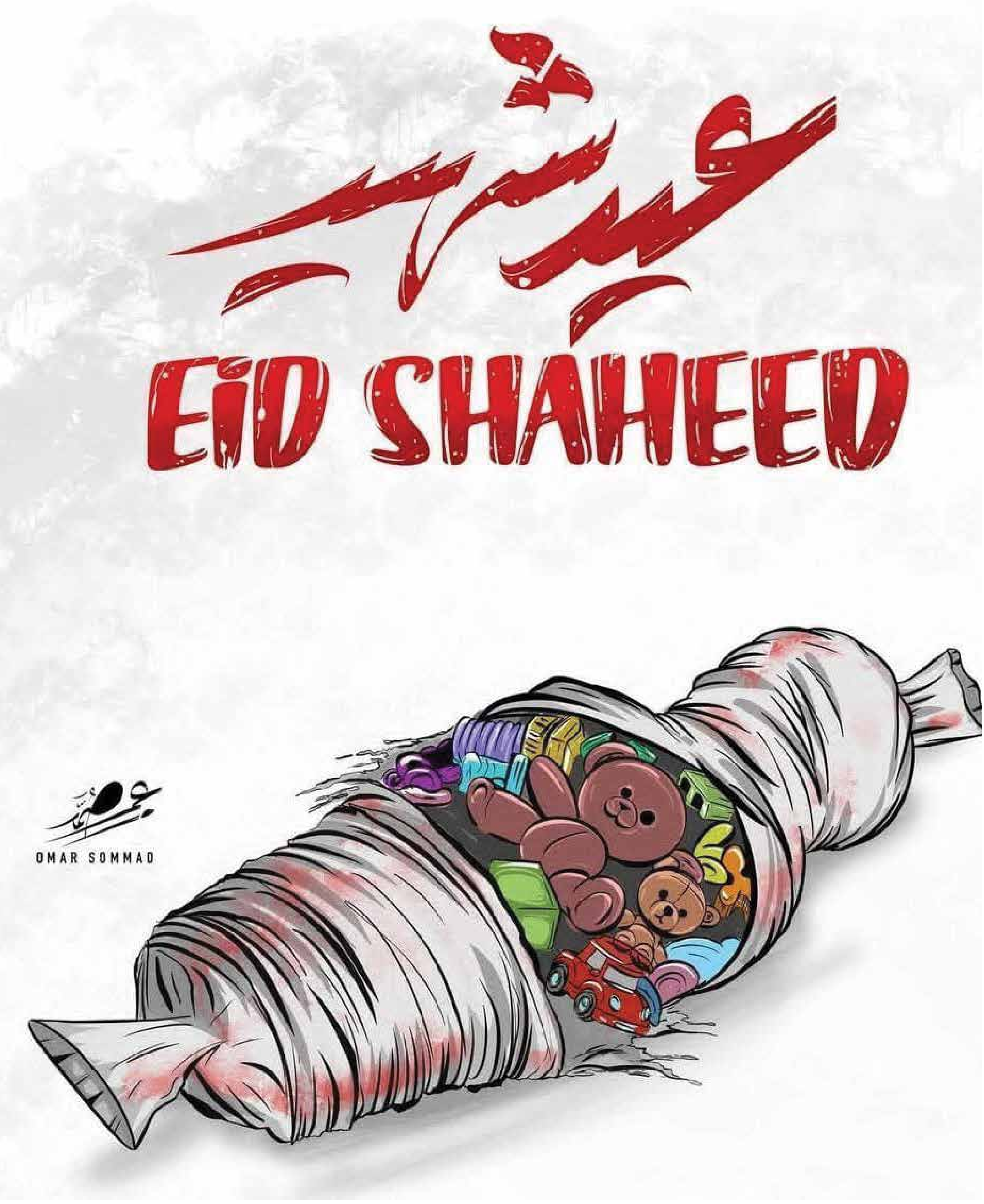

غزہ میں عید کی مٹھائیاں

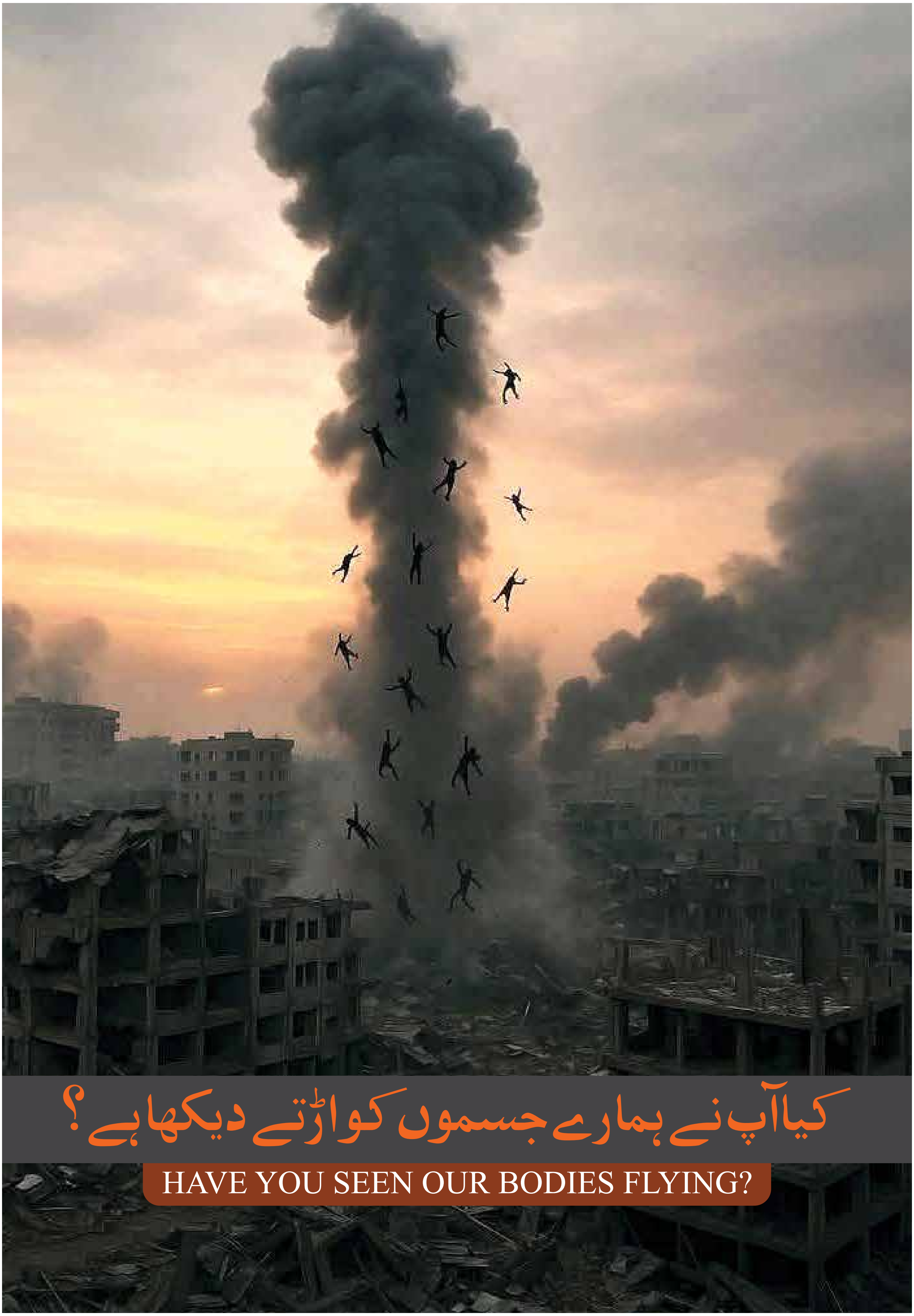
کیا آپ نے ہمارے جسموں کو اڑتے دیکھا ہے؟
HAVE YOU SEEN OUR BODIES FLYING?